بسم اللہ الرحمن الرحیم ٭ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قُل جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

الحمد للہ والمنۃ

کہ یہ رسالہ

تصدیق المسیحؑ

و

المہدیؑ

مُصنّفہ

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز

جسمیں

حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے دعاوی کو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے

خاکسار فخر الدین ملتانی ثم قادیانی مالک احمدیہ بک ایجنسی قادیان

نے

(ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام شیخ عبد الرحمن یونٹو چھپ کر شائع کیا)

بار اول

قیمت ۸/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ حال

پچھلے دنوں میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے ارشاد کے ماتحت ایک تبلیغی وفد کے ساتھ بمبئی جانا پڑا۔ وہاں جاکر ہم نے اس بات کی ضرورت محسوس کی۔ کہ ایک نہایت مختصر سا رسالہ لکھا جاوے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی معہ دلائل مختصراً بیان کئے جائیں۔ چنانچہ اس تحریک کے ماتحت میں نے ایک رسالہ لکھنا شروع کیا۔ لیکن مضمون چونکہ نہایت اہم تھا اور کئی شاخوں پر مشتمل۔ اسلئے اندازہ سے بہت بڑھ گیا لھٰذا اس مضمون کو جو ابھی تک مکمل بھی نہ ہوا تھا نامکمل چھوڑنا پڑا۔ اور اس کی جگہ پندرہ بیس صفحہ کا نہایت مختصر تبلیغی ٹریکٹ لکھ کر شایع کر دیا۔ اور وہ اصل مضمون اسی حالت میں پڑا رہا۔ قادیان واپس آنے پر بھی اس کی طرف خیال نہ گیا۔ حتےٰ کہ جلسہ سالانہ بالکل قریب آگیا۔ اس وقت بعض دوستوں کی رائے سے میں نے پھر اس مضمون کو نکالا۔ اور اس کو مکمل کرنا چاہا۔ لیکن وقت بہت تنگ تھا۔ اور کام میرے سامنے دو تھے۔ اول پچھلے لکھے ہوئے مضمون کو نظر ثانی کرنا۔ کیونکہ بمبئی میں بوجہ ضروری کتابوں کے نہ ملنے کے وہ مضمون مجھے بغیر کسی تیاری کے یادداشت سے ہی لکھنا پڑا تھا۔ جس سے اس میں بہت کچھ اصلاح ہونے والی تھی دوسرا کام مضمون کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی ناقص پڑا تھا۔ مگر وقت ایسا تنگ تھا کہ میں نے ابھی پہلے کام کو ہی ختم نہ کیا تھا کہ جلسہ اسقدر قریب آگیا کہ اُسے چھوڑ کر مضمون کے پورا کرنے کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ گویا اسطرح پہلا لکھا ہوا مضمون بغیر اچھی طرح نظر ثانی کرنے کے یونہی چھوڑنا پڑا۔ اور اگلا حصہ ایسی جلدی میں لکھنا پڑا۔ کہ میں اسکے متعلق پوری ذمہ داری اُٹھاتا ہوا ڈرتا ہوں۔ اگر جلسہ پر اسے شایع کر دینے کا خیال نہ ہوتا تو میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ ناظرین اسے ایسی حالت میں نہ پاتے۔ بلکہ اس کو زیادہ مکمل اور مدلل صورت میں دیکھتے۔ تاہم جو کچھ ہے حاضر ہے۔ احباب کی سخت ضرورت تھی کہ ایک مختصر مگر مکمل تبلیغی رسالہ ہو۔ جو غیر احمدی صاحبان کے ہاتھوں میں تبلیغ کے وقت دیا جا سکے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ رسالہ جیسا بھی ہے۔ ایک حد تک اس ضرورت کو پورا کرنے والا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۲۵ دسمبر ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصدیق المسیح (علیہ السلام)
و
المہدی

تمام حمد و ستائش اُس ذات واحد کے لئے ہے جس نے ہم کو اسلام جیسا کامل مذہب عطا فرمایا۔ اور پھر اسکی حفاظت کا بھی خود ہی بیڑا اُٹھایا۔ جیسا کہ فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (پارہ ۶ رکوع ۵) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (پارہ ۱۴ رکوع ۱) "آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ تحقیق ہم ہی نے قرآن شریف اُتارا ہے۔ اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے" یہ حفاظت کا وعدہ اور کسی کتاب کے ساتھ نہیں ہوا۔ جسکی وجہ یہ نہیں۔ کہ اور کتابیں خدا کی طرف سے نہ تھیں۔ بلکہ چونکہ قرآن شریف سے پہلے جسقدر کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ قیود زمانی اور مکانی کے ساتھ مقید تھیں۔ اور ساری دُنیا اور قیامت تک کے لئے نہیں تھیں۔ اسلئے اُن کے ساتھ ایسا وعدہ نہیں ہوا۔ لیکن قرآن شریف بوجہ ایک کامل اور اکمل شریعت ہونے کے ان قیود سے آزاد ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا۔ تا اس کے چشمہ کے خالص پانی سے دنیا قیامت تک سیراب ہوتی رہے۔ لیکن یہ حفاظت دو طرح کی ہے۔ اول لفظی حفاظت۔ دوسرے معنوی حفاظت یعنی ایک تو حفاظت کا یہ پہلو ہے۔ کہ قرآن شریف کے الفاظ کی حفاظت ہو۔ یعنی جس صورت میں وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

پر نازل ہؤا۔ اُسی صورت میں وہ پُورا کا پُورا محفوظ رہے۔ دُوسری قسم حفاظت کی یہ ہے
کہ قرآن شریف کے صحیح معانی دنیا میں موجود رہیں۔ کیونکہ اگر لفظی طور پر ہی قرآن شریف کی حفاظت
ہو۔ اور معنوی حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ تو پھر عملی طور پر قرآن شریف کا موجود رہنا یا
نہ ہونا برابر ٹھہرتا ہے۔ اسی لئے خداوند قدوس نے لفظ حفاظت کو مطلق رکھ کر ہر ایک
قسم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔

لفظی حفاظت کی بحث میں تو ہم کو پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ
خود مخالفین بھی اسے قبول کرتے ہیں۔ یعنی تمام دنیا مانتی ہے۔ کہ موجودہ قرآن بغیر تبدیلی
زیر و زبر کے وہی قرآن ہے۔ جو تیرہ سَو (۱۳۰۰) سال ہوئے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر
نازل ہؤا۔ ہاں اس جگہ ہم کو دیکھنا یہ ہے۔ کہ معنوی حفاظت کے لئے کیا سامان کیا گیا
ہے۔ سو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اُمّتِ محمدیہ میں مجدّدین کا سلسلہ

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علےٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابو داؤد) یعنی اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لئے کسی مجدد کو کھڑا کیا کریگا۔ جو اس کے
دین کی تجدید کیا کریگا۔ اور ان غلطیوں کو نکالا کریگا۔ جو لوگوں کے عقاید وغیرہ میں آگئی ہونگی
یہ مجددین بطور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی خلفاء کے ہونگے۔ اور آپ کی گدی
پر بیٹھ کر اصلاح کا کام کرینگے۔ چنانچہ مشاہدہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وعدہ کے موافق اسلام میں
ایسے لوگ ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ جنکے ذریعہ قرآن شریف کے علم اور اصلی مقصد اور تعلیم کا حسب
ضرورتِ زمانہ انکشاف ہوتا رہا ہے۔ مگر نبی کریمؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں
غیر معمولی طور پر سخت فتنہ کا ظہور ہوگا۔ اور صحیح علم مفقود ہو جائیگا۔ اور قرآن شریف کی تعلیم
لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائیگی۔ اور ایمان دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اور صلیبی مذہب بہت
زور پکڑ لیگا۔ اور اسلام چاروں طرف سے مصائب کے اندر گھر جائے گا۔ اور مسلمانوں کا یہ
حال ہوگا کہ وہ یہودیوں کے قدم بقدم چلینگے۔ اور مختلف قسم کی اعتقادی اور عملی
غلطیوں میں مُبتلا ہو جائینگے۔ اور خود علماء جن کا فرض ہونا چاہئیے۔ کہ لوگوں کو ہدایت دیں

اشر الناس بن جائینگے ۔ اور اُن کی عملی حالت سخت ابتر ہو جائیگی ۔ ایسے فتنہ کے وقت میں
معمولی مجدد کا کام نہ ہو گا ۔ کہ اصلاح کا بیڑا اُٹھائے ۔ بلکہ خدا کا نبی مسیح اور مہدی ✻

ختم نبوت

✻ مسیح موعودؑ کے متعلق ہم نے اپنی طرف سے نبی اللہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ۔ بلکہ خود سرور کائنات
نے محمدی مسیح کو اس نام سے یاد کیا ہے ۔ اور کئی دفعہ کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم
(کتاب الفتن) حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت سُنکر بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح موعود
نبی کسطرح ہو گیا ۔ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ پر غور کرنا چاہیئے ۔ جب خود آپ اپنی
زبان مبارک سے اس اُمت میں ظاہر ہونیوالے مسیح کو نبی اللہ کے نام سے یاد فرماتے ہیں ۔ تو ہم کون
ہیں ۔ جو اعتراض کریں ۔ باقی رہا کہ قرآن شریف میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کے نام
سے یاد کیا گیا ہے ۔ سو اس سے ہم کو انکار نہیں ۔ لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے ۔ کہ آیت خاتم النبیین کے
معنی کیا ہیں ۔ ساری آیت اس طرح پر ہے :- ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ
وخاتم النبیین (سورۃ احزاب) یعنے محمد رسول اللہ تم میں سے کسی مرد کے جسمانی باپ تو بے شک
نہیں ہیں ۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں ۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرتؐ
کی نرینہ جسمانی اولاد کی نفی کی ہے ۔ حالانکہ خود ہی اسی سورہ احزاب میں اس آیت سے چند آیات اوپر
ازواجہ امھاتھم فرما کر آپ کی ابوّت کو قایم کیا تھا ۔ اسلئے ماکان محمد ابا احد من
رجالکم کے الفاظ سے احتمال تھا ۔ اِس بات کا کہ کسی کے دل میں یہ خیال آوے کہ اوپر تو ابوّت
قائم کی ہے ۔ اور یہاں اس سے انکار کیا ہے ۔ اس لئے اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ
نے لکن کا لفظ رکھ کر جو استدراک (یعنے پچھلے کلام سے جو وہم پیدا ہو ۔ اُسکے رفع کے لئے
آتا ہے ۔ آگے "رسول اللہ" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ بیان فرمائے ۔ تا یہ ظاہر ہو ۔ کہ
صرف ابوّت جسمانی سے انکار کیا گیا ہے ۔ ورنہ روحانی لحاظ سے تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم
اللہ کا رسول ہے ۔ اور اس حیثیت میں بالضرور مومنوں کا باپ ہے ۔ اور پھر رسول اللہ پر لفظ خاتم النبیین
کو معطوف کر کے یہ ظاہر کیا ۔ کہ آپ اور رسولوں کی طرح صرف مومنوں کے ہی باپ نہیں ۔
بلکہ خاتم النبیین (نبیوں کی مُہر) بھی ہیں ۔ یعنے آپ کی مُہر تصدیق سے تو نبوت مل سکتی ہے ۔

ظاہر ہوگا۔ جو صلیبی مذہب کے زور کو توڑ دیگا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

نزول مسیح و مہدی

والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الحرب (بخاری) یعنے مجھے اس ذات کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ قریب ہے کہ نازل ہوگا۔ تم میں ابن مریم حکم اور عدل۔ پس صلیب کو توڑے گا۔ اور خنزیر کو قتل کریگا

بقیہ حاشیہ۔ اور آپ کی روحانی توجہ سے نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ الفاظ ما کان محمد ابا احد من رجالکم سے یہ اعتراض بھی بظاہر وارد ہوتا تھا۔ کہ جب آپ کے اولاد نہیں۔ تو آپ بقول کفار کے ابتر ثابت ہوئے (یعنی آپ کا سلسلہ آپ پر ہی کٹ گیا) اس لئے اس وہم کے ازالہ کے لئے بھی ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا۔ کہ بے شک اسکی نرینہ ظاہری اولاد نہیں ہے۔ لیکن یہ اللہ کا رسول ہے۔ اور اس حیثیت میں اس کی بہت سی روحانی اولاد ہے اسلئے یہ ابتر نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ صرف رسول اللہ کے الفاظ استعمال کر دینے سے آپ کی پوری تعریف نہ ہوتی تھی۔ اور آپ دوسرے رسولوں سے ممتاز ثابت نہ ہوتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے خاتم النبیین کا لفظ زاید کیا۔ تا ظاہر ہو کہ یہ صرف رسول ہی نہیں کہ اسکی اور رسولوں کیطرح روحانی اولاد ہو۔ بلکہ یہ نبیوں کی مہر ہے۔ یعنی اس کا پایہ تو اتنا بلند ہے۔ کہ اسکی روحانی مہر سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اسکے قدم بقدم چلنے سے انسان نبوت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ آیت خاتم النبیین نے نبوت کے دروازہ کو مسدود نہیں کیا۔ بلکہ صرف اتنا فرق پیدا کیا ہے۔ کہ پہلے براہ راست انسان اللہ تعالیٰ سے نبوت پاتا تھا۔ لیکن خاتم النبیین کے ظہور سے چونکہ قرآن شریف کی شریعت کامل ہو چکی ہے۔ اس لئے اب براہ راست یعنی مستقل نبوت اور شریعت والی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب صرف وہی نبی ہو سکیگا۔ جسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مہر تصدیق ہو۔ گویا اولاد کی نفی سے جو شبہ پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے یہ فرما کر دور کیا۔ کہ محمد رسول اللہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اور جس طرح اور رسولوں کی روحانی

اور جنگ کو موقوف کریگا" اسی قسم کے الفاظ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مہدی معہود کے متعلق بھی استعمال کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی آیات اور احادیث ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آخری زمانہ میں مسیح اور مہدی کا ظہور ہو گا۔ جو ایک مجدد اعظم ہو گا ؞

بقیہ حاشیہ - اولاد ہوا کرتی ہے۔ اسکی بہت رُوحانی اولاد ہے۔ پھر یہی نہیں کہ یہ صرف ایک معمولی رسُول ہے۔ بلکہ یہ تو خاتم النبیین ہے۔ یعنی یہ صرف مومنوں کا ہی باپ نہیں۔ بلکہ نبیوں کا بھی روحانی باپ ہے۔ واقعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت ایسی ہے کہ اس میں اور کوئی رسول آپ کا شریک نہیں۔ اگر ہم غیر احمدیوں والے معنی قبول کریں۔ تو خاتم النبیین کی آیت بجائے اسکے کہ آپ کی مدح میں ہو۔ نعوذ باللہ مذمت ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ ماننا پڑیگا کہ ایک طرف تو خدا نے جسمانی نرینہ اولاد کی نفی کردی۔ اور دوسری طرف خاتم النبیین کا لفظ استعمال کر کے آپ کو ایک قدیم زمانہ سے جاری شدہ انعام (یعنی نبوت) کا بھی بند کرنے والا قرار دیدیا حالانکہ آیت کریمہ میں جو لکن کا لفظ ہے۔ وہ استدراک کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اس کا تو یہ تقاضا ہونا چاہیئے تھا۔ کہ پہلے کلمہ سے جو شبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کا ازالہ کیا جاوے۔ نہ کہ اسکو اور مضبوط کر دیا جاوے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ آیت خاتم النبیین ہرگز نبوت کے دروازہ کو کلی طور پر بند نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے۔ کہ آئندہ کوئی شخص بغیر اتباع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے مقام کو نہیں پاسکیگا۔ ہاں جو شخص آپ کی کامل پیروی کریگا۔ اور آپ کے قدم بقدم چلیگا۔ اور حقیقی طور پر فنا فی الرسول کے درجہ کو پالیگا۔ وہ نبی کہلائے گا۔ لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبوت کا دروازہ کھلا مانا جاوے۔ تو اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے۔ حالانکہ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس قسم کی نبوت کا دروازہ آیت خاتم النبیین کھولتی ہے۔ اس سے آنحضرت صلعم کی ہتک ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو آپ کے درجہ کو اور بھی بالا ثابت کرتی ہے۔ ہتک تو تب ہو کہ کوئی شخص باوجود آپ کی شریعت کے کامل ہونے کے آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ یا براہ راست نبوت پانے کا مدعی ہو۔ لیکن جو آپ کے غلاموں میں سے ہے۔ اور آپ کی اُمت

علاماتِ زمانہ مسیح موعود و مہدی

اسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بعض نشانیاں بھی بتائی ہیں۔ جن سے مسیح موعود کے زمانہ کی تعیین ہوتی ہے۔ اول تو یہی کہ وہ سخت فتنہ کا زمانہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کی عملی اور اعتقادی حالت بہت ابتر ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا۔ جب مسلمانوں کی حالت ایسی خراب ہو۔ جو اس زمانہ میں ہے اور یہ ایسی بات ہے۔ جس پر ہم کو دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ اعمال میں سست ہونے

بقیہ حاشیہ۔ کا ایک فخر ہے۔ وہ اگر نبوت کے مقام کو پہونچے۔ تو اس سے تو آپ کی شان بلند ثابت ہوئی نہ کہ ہتک۔ ظاہر ہے کہ جسکے ماتحت بڑے ہونگے۔ وہ خود بھی بڑا ہوگا اور جسکے ماتحت ادنے ہونگے۔ وہ خود بھی ادنے ہوگا۔ ماتحتوں کے ادنے اور اعلے ہونے سے افسر کی شان کا پتہ ملتا ہے۔ تو پھر بتاؤ کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں کوئی بھی نبوت کے مقام کو نہ پہونچے۔ تو اس بات میں آنحضرت ؐ کی بڑائی ہے یا اس میں کہ آپ کی اتباع میں۔ اور آپ ہی کی امت میں کوئی شخص نبوت کے مقام کو پہونچ جاتے ہے؟ وہ بادشاہ جسکے ماتحت کوئی بادشاہ نہیں۔ وہ تو صرف ایک بادشاہ ہی ہے۔ لیکن جس کے ماتحت کوئی بادشاہ ہو۔ وہ شاہنشاہ کہلائیگا پس ہم تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کو نبی مان کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو شاہنشاہ کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر ہمارے مخالف یہ فضیلت آپ کو نہیں دینا چاہتے۔

لا نبی بعدی کی حدیث کسی کے دل میں نہ کھٹکے۔ کیونکہ اول تو یہ الفاظ نبی کریم ؐ نے ایک خاص موقعہ پر ایک خاص شخص کے لئے فرمائے ہیں۔ جیساکہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث ہمارے مطلب کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور یہ ہم بھی مانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے۔ کہ آنحضرت ؐ کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ آپ کی نبوت اور شریعت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ پس یہ سچ ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر اس سے حضرت مرزا صاحب کا دعوے باطل نہیں

کے علاوہ اعتقادات میں وہ اندھیر مچ رہا ہے۔ کہ مسلمانوں کے بہتر[۷۲] فرقے ہو رہے ہے۔ جو ایک دوسرے کے عقاید میں سخت مخالف ہیں۔ اور تو اور خود ذات باری تعالیٰ کی صفات کے متعلق اختلاف ہو رہا ہے۔ پھر ایمان کا یہ حال ہے۔ کہ پچانوے فی صدی ایسے ہو گئے ہیں جنکے دلوں سے ایمان کلّی طور پر پرواز کر چکا ہے۔ اور وہ منہ سے تو اقرار کرتے ہیں کہ خدا ہے۔ مگر دراصل خدا کے منکر ہیں۔ اور در پردہ دہریت کا شکار ہو چکے ہیں۔ صرف اعتقادی طور پر کہتے ہیں۔ کہ خدا ہے۔ لیکن ذرا کرید کر پوچھو۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ خدا

بقیہ حاشیہ۔ ٹھہرتا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب تو آپ کے بعد نہیں۔ بلکہ آپ ہی کے زمانہ نبوت کے اندر ہیں۔ ہاں جو آپ کی شریعت کو منسوخ کریگا۔ وہ بعد میں کہلائے گا۔ لیکن جو آپکے دامن نبوت کے نیچے آپ ہی کی اُمت میں ہو کر نبوت کا مدعی ہے۔ وہ آپکے بعد نہیں ہے بلکہ آپکے زمانہ کے اندر ہے۔ پس لانبی بعدی کا مفہوم بہر حال قایم رہا۔

پھر ہمارے مخالفین کو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے۔ کہ قرآن شریف کے ابتدا ہی میں خدا تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی اے خدا تو ہم کو راہ مستقیم کی طرف ہدایت دے۔ ان لوگوں کا راہ جن پر تو نے اپنا انعام کیا پھر دوسری جگہ دیکھیئے۔ قرآن شریف منعم علیہ گروہ کی خود تعریف کرتا ہے۔ سورۃ النساء رکوع ۹ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ یعنی جو اللہ اور اسکے اس رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ جنپر اللہ نے اپنا انعام کیا۔ یعنی نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتایا ہے۔ کہ منعم علیہ گروہ سے نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح مُراد ہیں۔ گویا اللہ تعالےٰ نے ہم کو سورۃ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ان چاروں گروہوں کے انعامات حاصل ہونے کی دعا کریں۔ تو اب اگر نبوت کے دروازہ کو اُمت محمدیہ پر بالکل بند تصور کیا جاوے۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ ایک طرف تو اللہ نے ہم کو خود یہ دعا سکھائی۔ کہ مجھ سے نبوت کا انعام مانگو۔ اور دوسری طرف خود ہی اس کو ہمیشہ کے لئے

کی ذات کے متعلق سینکڑوں شبہات میں مُبتلا ہیں۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق بھی ان کا ایمان کسی مستحکم چٹان پر قائم نہیں ۔ بلکہ ذراسی حرکت سے تزلزل میں پڑ جاتا ہے۔ بعث بعد الموت ۔ جزا سزا۔ اور فرشتوں کا وجود تو بالکل وہمی قرار دیا گیا ہے۔

پھر عبادت کی وہ راہیں جن پر قدم مارنے سے پہلوں نے خدا کے دربار تک رسائی حاصل کی تھی ۔ حقارت اور استخفاف کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ شرک جس کے خلاف سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ مُسلمانوں کی حرکات وسکنات سے کھلے طور پر ظاہر ہو رہا ہے

بقیہ حاشیہ ۔ بند کر دیا۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔ کیا خدا کی طرف ایسا ظلم منسوب کیا جا سکتا ہے؟ آخر انصاف بھی تو کوئی چیز ہے ۔ غور تو کرو کہ تمہاری بات مان کر خدا ظالم ٹھہرتا ہے یا نہیں ؟ پہلے خود کہتا ہے ۔ کہ مجھ سے نبوت کا انعام مانگو ۔ میں دُونگا ۔ لیکن جب بندہ مانگتا ہے ۔ تو جواب ملتا ہے ۔ کہ تمہارے لئے یہ انعام بند ہے ۔ اگر انکار ہی کرنا تھا تو یہ کہدیتا ۔ کہ انعام تو کھلا ہے ۔ مگر تم اس قابل نہیں ۔ لیکن ذرا غضب تو دیکھو ۔ کہ خود مانگنے کو کہا ۔ اور جب مانگا ۔ تو کہا کہ تم پر اس انعام کا دروازہ ہی بند ہے ۔ افسوس! ہماری مخالفت میں ان لوگوں نے خدا کی مقدس ذات پر بھی عیب لگایا ۔ اور اتنا نہیں سوچا ۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جدید شریعت کا دروازہ بند ہوا ہے ۔ نہ کہ مطلق نبوت کا ۔ کیا بنی اسرائیل میں بغیر شریعت کے کوئی نبی نہیں آیا ۔ کیا خدا قرآن شریف میں نہیں فرماتا کہ وقفینا من بعدہ بالرسل (سورہ بقرہ رکوع ۱۱) انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا ۔ (سورۃ مائدہ رکوع ۷) یعنی موسیٰ کے بعد ہم نے نبی بھیجے ۔ جن کے ساتھ جدید شریعت نہ تھی ۔ بلکہ وہ توراۃ ہی کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے ۔ جسکے اندر ہدایت اور نور تھا ۔ تو جب حضرت موسیٰ کے بعد تورات کی خدمت کیلئے کئی نبی آئے ۔ جو کوئی نئی شریعت نہیں لائے ۔ تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی قرآن شریف کی شریعت کا خادم رسول مبعوث ہو جاوے ۔ تو اس میں حرج کونسا ہو گیا ۔ بلکہ یہ تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کو ظاہر کرنے والا ہے کہ آپ کا خادم نبی بن سکتا

روپے سے محبت کیجاتی ہے۔ اور اسپر وہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔ جو خود ذات باری تعالیٰ کے
شایان شان ہے۔ قبروں پر جاکر سجدے کیئے جاتے ہیں۔ شراب خوری۔ زناکاری اور قماربازی
کا میدان گرم ہے۔ سود جسکے متعلق کہا گیا کہ اسکے لینے اور دینے والا خدا تعالیٰ سے
جنگ کرنے کو تیار ہو جاوے۔ شیر مادر کیطرح سمجھا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تمام سلطنتیں تباہ
ہو چکی ہیں۔ اور جو رہی سہی باقی ہیں۔ وہ اسلام کے لئے جائے فخر ہونا درکنار اس کے
لئے جائے عار ہو رہی ہیں۔ ادھر اسلام کا وجود خود بیرونی حملوں کا اس قدر شکار ہو رہا
ہے۔ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ بس یہ آج بھی نہیں۔ اور کل بھی نہیں۔ نبیوں کے سردار
محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر گندے سے گندے اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ آپ کی
ازواج مطہرات کو مختلف قسم کے الزامات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور اسلامی تعلیم کو
ایک بدنما شکل میں پیش کر کے اسپر ٹھٹھا اور ہنسی کی جاتی ہے۔ عیسائی مذہب اپنے زور پر
ہے۔ اور دہریت اپنے آپ کو ایک خوبصورت شکل میں پیش کر رہی ہے۔ غرض اسلام
کی کشتی ایک ایسے طوفان بے تمیزی کے اندر گھر رہی ہے۔ کہ جب تک خدا کا ہاتھ اسکے
بچانے کے لئے نہ بڑھے۔ اس کا کنارے پر پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔ علماء جن کا
فرض تھا۔ کہ ایسے وقت اسلام کی مدد کے لئے کھڑے ہوتے۔ خواب غفلت میں پڑے
سوتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ خود ہزاروں بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ اور
ان کے ایمانوں کی حالت بھی ایسی ابتر ہو چکی ہے کہ الامان۔ چند پیسوں پر ایمان فروشی
کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام حالات پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ یہی وہ زمانہ ہے
جس سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ڈرایا۔ اور یہی وہ وقت ہے۔ جسمیں اسلام
کے عظیم الشان مجدد۔ مسیح اور مہدی کی آمد مقدر ہے۔ کیونکہ اگر ایسی اشد ضرورت کے
وقت بھی اللہ کی طرف سے کوئی ظاہر نہ ہو۔ تو پھر نعوذ باللہ وہ وعدہ الٰہی غلط ٹھہرتا ہے
کہ میں قرآن اور اسلام کی حفاظت کروں گا۔ اور دین کی خدمت اور تجدید کے لیے
خلفاء اور مجددین کو کھڑا کرتا رہوں گا۔ پھر اور نشانیاں بھی جو آخری زمانہ کے متعلق
بتائی گئیں۔ وہ پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں فرمایا۔ واذا العشار عطلت بابه

یعنی آخری زمانہ میں (جو مسیح و مہدی کا زمانہ ہے) اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی۔ اور ان پر سفر نہ کیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ ریل کے جاری ہونے سے یہ نشانی کمال صفائی کے ساتھ پوری ہو چکی ہے۔ اور خود ملک عرب میں بھی ریل جاری ہو جانے کی وجہ سے اونٹنیاں بیکار ہو رہی ہیں۔ اسی علامت کی تشریح میں نبی کریم نے فرمایا۔ ولیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیہا۔ یعنی اونٹنیاں چھوڑ دی جائینگی۔ اور انکے ذریعہ سفر نہکیا جاویگا ؛

پھر قرآن شریف فرماتا ہے:۔ واذا الصحف نشرت (پارہ ۳۰ سورۃ التکویر) یعنی کتابوں اور رسالوں وغیرہ کی بکثرت اشاعت ہوگی۔ دیکھ لیجئے۔ یہ نشانی بھی چھاپہ خانوں کی ایجاد سے کس صفائی کے ساتھ پوری ہو چکی ہے۔ پہلے زمانہ میں صرف قلمی نسخے ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے لاکھوں لوگ ایسے ہوتے تھے۔ جو احادیث کی کتابوں کو دیکھنے کے لئے ترستے تھے۔ مگر میسر نہ آتا تھا۔ لیکن آج گھر گھر کتابیں موجود ہیں۔ غرض جس قدر اس زمانہ میں کثرت اشاعت کتابوں وغیرہ کی ہوئی ہے۔ اس کے بیان کی ضرورت نہیں ؛

پھر قرآن شریف میں آتا ہے۔ اذا البحار فجرت (پارہ ۳۰۔ سورۃ الانفطار) یعنی دریا پھاڑے جائینگے۔ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں دریاؤں کو پھاڑ پھاڑ کر اس کثرت کے ساتھ نہریں وغیرہ جاری کی گئی ہیں کہ خود دریا خشک ہوئے جاتے ہیں ؛

پھر فرمایا:۔ واذا النفوس زوجت (پارہ ۳۰۔ سورۃ التکویر) یعنی لوگ آپس میں ملا دئے جاوینگے۔ یہ علامت بھی ریل اور جہازوں اور پھر ہوائی جہازوں اور تار اور ڈاک کے نکلنے سے اس صفائی کے ساتھ پوری ہوئی ہے کہ حاجت بیان نہیں۔ پہلے زمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نہایت دشوار ہوتا تھا۔ جسکی وجہ سے ہر ایک بستی دوسری بستیوں سے الگ رہتی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں ساری دنیا ایک بستی کی طرح ہو گئی ہے۔ سبحان اللہ خدا اور اسکے رسول کے منہ کی باتیں کس صفائی کے ساتھ پوری ہو رہی ہیں ؛

پھر یہ تو ہم لکھ ہی آئے ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجا کرے گا۔ اور یہ بھی اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کہ مسیح موعود اس اُمت کا عظیم الشان مصلح ہے۔ جو آخری زمانہ میں سخت فتنوں کے وقت

میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موعود فتنے ظاہر ہو گئے۔ تو اب ماننا پڑیگا۔ کہ اسی یعنی
چودہویں صدی کے سر پر مسیح موعود کو آنا چاہیئے ؂

پھر حدیث میں آتا ہے :۔ ان لمھدینا ایتین لم تکونا منذ خلق السموات
والارض۔ ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ (دار قطنی)
یعنی ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں۔ اور جب سے کہ زمین اور آسمان خدا نے پیدا کئے یہ
نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ
مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینے میں چاند کا گرہن اسکی اول رات میں ہوگا۔
(یعنی تیرھویں تاریخ میں۔ کیونکہ چاند کے گرہن کے لئے خداوند تعالیٰ نے قانون قدرت میں
تیرھویں اور چودھویں اور پندرھویں تواریخ کو مقرر فرمایا ہے۔ جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ
نہیں) اور سورج کا گرہن اسکے درمیانی دن میں ہوگا (یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی
اٹھائیس تاریخ کو ہوگا۔ کیونکہ سورج کے گرہن کے لئے خدا نے ستائیس۔ اٹھائیس اور
انتیس تواریخ کو مقرر فرمایا ہے) اب تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء
میں یہ نشانی نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہو چکی ہے یعنی ۱۳۱۱ھ کے رمضان میں
چاند کو اسکی اول رات یعنی تیرھویں تاریخ کو گرہن لگا۔ اور اسی مہینہ میں سورج کو اسکے
درمیانی دن میں یعنے اٹھائیس تاریخ کو گرہن لگا۔ اور یہ نشان دو وقت ظاہر ہوا اول
اس نصف کرہ زمین میں اور پھر امریکہ میں۔ اور دو نو مرتبہ انہی تاریخوں میں ہوا۔ جنکی
طرف حدیث اشارہ کرتی ہے۔ اور یہ نشانی صرف حدیث ہی نے نہیں بتائی۔ بلکہ
قرآن شریف بھی اسے بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا :۔ وخسف القمر وجمع الشمس
والقمر۔ (پارہ ۲۹۔ سورۃ القیامۃ) یعنے چاند کو گرہن لگیگا۔ اور اس گرہن میں سورج بھی
چاند کے ساتھ شامل ہوگا یعنے اُسے بھی اسی مہینہ میں گرہن لگیگا۔ جیسے کہ اوپر کی حدیث
نے بتایا ہے۔ اب دیکھئے۔ کس صفائی کے ساتھ یہ علامت پوری ہو کر ہم کو بتا رہی ہے
کہ یہی وہ وقت ہے۔ جس میں مہدی کا ظہور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جو اسکے ظہور کی علامت تھی وہ
پوری ہو چکی ہے۔

اسکے علاوہ گذشتہ علماء میں اکثر نے مہدی کے ظہور کا وقت چودہویں صدی کا ابتدا قرار
دیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان مرحوم بھی لکھتے ہیں کہ تیرھویں صدی کا آخر اور چودہویں کا
ابتدا مہدی کے ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حجج الکرامہ صہ ۳۹۵۔ غرض اس
میں ذرا بھی شک نہیں کہ مخالف و موافق سب کے نزدیک یہی وہ زمانہ ہے جس میں مسیح اور
مہدی کو آنا چاہیئے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ آیا اس زمانہ میں کسی نے مسیح اور مہدی ہونے
کا دعویٰ کیا ہے۔ سو اکناف عالم میں خوب نظر دوڑالو۔ کہ اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد
صاحب قادیانی کے سوا اور کوئی شخص اس منصب کا مدعی نہیں ہوا۔ اگر کوئی اور شخص بھی
مدعی ہوتا۔ تو معاملہ مشتبہ ہو جاتا۔ اور ہم کو ضرورت پیش آتی۔ کہ مختلف مدعیان مسیحیت و
مہدویت کے دعاوی کو پرکھیں۔ کہ ان میں سے کون حق پر ہے۔ اور کون باطل پر۔ مگر
خوب دیکھ لو۔ اس زمانہ میں کوئی شخص سوائے حضرت مرزا صاحب کے مہدویت کا مدعی نہیں
پیدا ہوا۔ پس یا تو حضرت مرزا صاحب کو قبول کرو۔ اور یا پھر خدا اور اسکے پاک رسول
مخبر صادق کے اقوال کو نعوذ باللہ جھوٹا اور غلط قرار دو۔ اور اپنے ایمانوں کو خیرباد کہو
صرف دو ہی رستے کھلے ہیں یا تو مخبر صادق نے غلط خبر دی۔ کہا کہ ہر صدی کے سر پر مجدد
آئیگا۔ لیکن چودہویں صدی کے سر پر کوئی مجدد نہ آیا۔ حالانکہ اس وقت مجدد کی سب سے زیادہ
ضرورت تھی۔ کہا کہ صلیبی مذہب کے زور کے وقت مسیح کا نزول ہوگا۔ مگر صلیبی مذہب
اپنے زور پر ہو گیا۔ لیکن مسیح ظاہر نہ ہوا۔ تا اس کا زور توڑے۔ کہا کہ جب تواریخ مقررہ
پر رمضان کے مہینے میں چاند اور سورج کو گرہن لگے۔ تو جان لو۔ کہ مہدی ظاہر ہو گیا
مگر ان علامات کا ظہور ہو گیا۔ لیکن مہدی ظاہر نہ ہوا۔ پس دو ہی راستے ہیں۔ یا تو
مخبر صادق کی بات کو مان کر حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کو قبول کرو۔ اور اپنے ایمانوں
کو بچاؤ۔ اور یا۔ مگر میں ایسی بات منہ پر نہیں لاتا۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے۔ تا تم اس
نور کو دیکھو۔ جسے ہم نے دیکھا۔ اور تمہارے سینوں کو فراخ کرے۔ تا تم اس حق کے
قبول کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ جسکے قبول کرنے کی خدا نے ہم کو توفیق دی۔ اللہم آمین
ثم آمین ؛

مگر اسجگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ گو حضرت مرزا صاحب ہی وہ فرد واحد ہیں جنھوں نے
اس زمانہ میں جو یقینی طور پر مسیح اور مہدی کی آمد کا زمانہ ہے۔ مسیحیت و مہدویت کا دعوے
کیا ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ ان کے دعوے کو قبول کریں۔ کیونکہ دوسری صورت میں خدا
اور اسکے رسول کی خبر کو نعوذ باللہ غلط قرار دینا پڑتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ طبیعت میں یہ
شک اور خلجان ضرور رہتا ہے۔ کہ جب مسیح نے آسمان سے نازل ہونا ہے۔ اور وہ
ابھی تک زندہ ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب کسطرح مسیح موعود ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح
یہ شبہ بھی باقی رہتا ہے۔ کہ مسیح اور مہدی تو دو الگ الگ وجود ہیں۔ حضرت مرزا صاحب
مسیح اور مہدی دونوں کسطرح ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح طبیعت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے
کہ مہدی نے تو تلوار کے ساتھ ظاہر ہونا تھا۔ اور کافروں کے ساتھ جنگ کر کے مسلمانوں
کی تعداد کو بڑھانا تھا۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے تو کوئی تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ ساری عمر
گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت امن کے ساتھ تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ اس لئے میں مختصراً
ان تینوں شبہات کا ازالہ کئے دیتا ہوں۔ مگر مجھے تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں
کیونکہ بہر حال یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اگر خدا اور اسکے رسول کا قول درست ہے۔ تو
حضرت مرزا صاحب اس صدی کے مجدد اور مسیح اور مہدی ہیں۔ کیونکہ اگر مرزا صاحب اس
صدی کے مجدد نہیں۔ تو ہمارے سامنے کوئی دوسرا مدعی پیش کرو۔ جسنے دعویٰ کیا ہو
یا کہا ہو۔ کہ خدا نے مجھے وحی کی ہے۔ کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔ اور جسنے دلائل
کے ساتھ اپنا دعویٰ دنیا میں شائع کر دیا ہو۔ اسیطرح اگر مرزا صاحب مسیح اور مہدی نہیں
تو پھر کوئی دوسرا مدعی مہدویت و مسیحیت پیش کرو۔ کیونکہ تمام علامات ظاہر ہو چکے ہیں
مگر یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکوگے۔ پس تم مجبور ہو کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو قبول

خروج دجّال

اس جگہ کسی کو یہ وہم نہ گذرے کہ مسیح موعود کی بہت بڑی علامت تو دجال کا ظہور ہے
اور وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ دجال بڑے شد و مد کے ساتھ ظاہر ہو
چکا ہے۔ اور انہی علامات کے ساتھ ظاہر ہو چکا ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق

کرو۔ کیونکہ ان کے انکار میں خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ ذات باری تعالےٰ کا انکار لازم آتا ہے۔ لہذا چونکہ حضرت مرزا صاحب کا منجانب اللہ ہونا بہرحال ثابت ہے۔ اس لئے میں ان شبہات کے ازالہ میں کسی لمبی بحث میں نہیں پڑوں گا۔ بلکہ حتی الوسع بہت اختصار سے کام لوں گا۔ وباللہ التوفیق ؞

بقیہ حاشیہ۔ بیان فرمائی تھیں۔ ہاں کوئی شخص اگر اپنی آنکھیں بند کرلے۔ تو سورج جیسی چیز نظر نہیں آتی۔ بھلا دجال کہاں نظر آنے لگا۔ اصل میں بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے دجال کی حقیقت پر کبھی غور کیا ہی نہیں۔ دجال ایک عربی لفظ ہے۔ جسکے معنے ایک بڑے گروہ کے ہیں۔ جو تجارت کا مال لیکر دنیا کے مختلف حصوں میں چکر لگائے۔ چنانچہ قاموس میں لکھا ہے الدجال من الدجالۃ طائفۃ عظیمۃ یحمل المتاع للتجارۃ۔ علاوہ ازیں دجال کے لفظ میں لغت کی رو سے جھوٹ اور کذب کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ پس دجال کے معنے ہوئے ایک بہت بڑی تجارتی قوم۔ جو کسی نہایت جھوٹے عقیدہ پر قایم ہو۔ سو نظر دوڑا کر دیکھ لو۔ کہ ایسی کوئی قوم موجود ہے یا نہیں۔ جو تجارت کے مال ساری دنیا میں لئے پھرتی ہو۔ اور مذہبًا ایک نہایت غلط عقیدے پر قایم ہو شرط اول کے دیکھنے کے لئے غالباً کسی اشارہ کی ضرورت نہیں۔ اور شرط دوم کے لئے ملاحظہ ہو قرآنی آیت۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولداً۔ مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ (سورہ کہف رکوع ۱) یعنے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کو اتارا ہے تاکہ وہ ڈرائے ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ ان کو اس بات کا کوئی صحیح علم نہیں اور نہ ہی ان کے باپ دادوں کو کوئی علم تھا۔ بڑی ہے وہ بات جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے اور وہ بات سراسر جھوٹی ہے۔" جھوٹ کا لفظ خاص طور پر ملاحظہ ہو۔ اسی جھوٹ کے متعلق دوسری جگہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ۔ (سورہ مریم رکوع ٦) یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ قریب ہے کہ اسکی وجہ سے آسمان پھٹ جاویں۔ اسیدہے۔ اب ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ ہم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کس فتنہ سے ڈرایا ہے۔ واقعی جو ابتلا اس زمانہ میں اسلام پر

حضرت مسیح آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے

پہلا سوال یہ ہے۔ کہ کیا مسیح آسمان پر زندہ بجسم عنصری موجود ہے۔ اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح ناصری زندہ بجسم عنصری آسمان پر اٹھایا گیا۔ یا یہ کہ وہ اب تک زندہ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ فیہا تحیون وفیہا تموتون (پارہ ۸ رکوع ۹) یعنے لے بنی نوع انسان تم زمین پر ہی اپنی زندگی کے دن گذارو گے۔ اور زمین پر ہی تمہاری موت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ انسان پر

بقیہ حاشیہ۔ عیسائی مشنریوں کے ذریعہ سے آیا ہے وہ نہ کبھی پہلے آیا۔ اور نہ امید ہے آئندہ کبھی آئیگا۔ یہ قوم دنیا کے تمام حصوں میں پھیل کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ علامت کو بڑی وضاحت کے ساتھ پورا کر چکی ہے۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دجال اپنی دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ سو دیکھ لیجیئے۔ حقیقت مذہب کے لحاظ سے ان کی آنکھ بند ہے یا نہیں۔ انسان کی بھی دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں بھی دو ہی رستے ہیں۔ دین کا اور دنیا کا۔ سو آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ کہ دجال کانا ہوگا۔ یعنی اس کی دین کی آنکھ بند ہوگی۔ اور وہ روحانیت سے بے بہرہ ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ دجال کے ساتھ ایک دوزخ ہوگا۔ اور ایک بہشت۔ مگر آپ نے فرمایا۔ خبردار دھوکا نہ کھانا۔ اس کا بہشت دراصل دوزخ ہے۔ اور دوزخ دراصل بہشت سو دیکھ لو۔ کہ انکے ساتھ دنیا کے عیش و آرام کا بہشت موجود ہے۔ مگر دیندار آدمی کے لئے وہ دوزخ کا حکم رکھتا ہے۔ پھر ان کے مذہب سے علیحدگی میں اس زمانہ میں ہزار قسم کی تکالیف کے دوزخ کا سامنا ہے۔ مگر انسان خدا کا ہو۔ اور اسی پر توکل رکھے۔ تو اسی دوزخ میں بہشت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے ساتھ ایک گدھا ہوگا جسکے دو کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا۔ سو اس گدھے کا بھی آج ہم ریل کی صورت میں نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم نے فرمایا کہ اسکے ماتھے پر ک ف ر لکھا ہوا ہوگا۔ جسے ہر خواندہ و ناخواندہ پڑھ سکیگا۔ سو یہ علامت بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے

دو ہی زمانے آتے ہیں۔ ایک زندگی کا زمانہ اور دوسرے زندگی کے بعد وفات کا زمانہ۔ ان ہر دو
زمانوں کو خدا تعالیٰ نے زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ یعنی یہ مقدر کر رکھا ہے۔ کہ یہ ہر دو
زمانے انسان زمین پر ہی گذاریگا۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری باوجود انسان ہونے
کے کسطرح آسمان پر اپنی زندگی کے دن گذارنے لگ گئے۔ کیا ان کو آسمان پر لیجاتے ہوئے
خدا تعالیٰ اپنے اس قطعی فیصلہ کو بھول گیا کہ انسان اپنے زندگی کے دن صرف زمین پر ہی
گذاریگا۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت مسیح ناصری آسمان پر ہرگز نہیں اٹھائے گئے۔ بلکہ انہوں نے

بقیہ حاشیہ۔ ماتھے پر لکھا ہونے کے یہی معنے ہوا کرتے ہیں کہ وہ چیز بالکل عیاں ہے
سو دیکھ لو۔ کہ اگر کوئی اپنی آنکھیں کھولکر دیکھے۔ تو کیا ان کے عقاید میں کفر صاف نظر نہیں آتا
بھلا ایک انسان کو خدا بنانے سے بڑھکر بدیہی البطلان کونسا عقیدہ ہو گا۔ غرض جتنی بھی علامات
دجال کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتائی تھیں۔ وہ سب سنت اللہ کے موافق یہاں
پائی جاتی ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ ہمارے غیر احمدی بھائی خواہ مخواہ سنت اللہ کے خلاف
ان کو ظاہر میں چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ باطنی حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں
ان کے ظاہری معنے لئے بھی نہیں جا سکتے۔ کیونکہ مثلاً دجال کی ایک علامت بتائی گئی ہے
کہ اسکے ساتھ بہشت ہو گا۔ اور دوزخ ہو گا۔ اور اسکے حکم کے ماتحت بادل ہونگے۔ اور زمین و
آسمان پر اس کا تسلط ہو گا۔ اور اسکے حکم سے زمینیں اپنی پیداوار نکالینگی۔ اب ظاہر ہے۔ کہ ان
سب باتوں کی لامحالہ تاویل ہی کرنی پڑیگی۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا۔ کہ دجال میں خدائی طاقتیں ہونگی
اصل میں بات یہ ہے۔ کہ نبی کریم نے دجال کو خواب میں دیکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث ارانی اللیلۃ
الخ سے ظاہر ہے اور خواب اکثر تاویل طلب ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو صریح پیشگوئی بھی
تاویل طلب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ علامات ظاہری طور
پر پوری ہونی ضروری تھیں۔ تو کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کے سامنے قسم کھاکر ابن صیاد
(جو ایک یہودی تھا۔ اور بعد میں مسلمان ہو گیا) کو دجال معہود قرار دیا۔ حالانکہ اس میں دجال کی علامات
قریباً سب کی سب مفقود تھیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کا

اور انسانوں کیطرح زمین پر ہی اپنی زندگی کے دن گذارے بلکہ اس سے بھی بڑھکر لیجئے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نبی کریم کو فرماتا ہے:۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ (پارہ ۱۵، رکوع ۱۰) یعنی کفار جو تجھ سے یہ معجزہ طلب کرتے ہیں۔ کہ تو آسمان پر چڑھ جاوے۔ تو تو اسکے جواب میں ان کو کہدے کہ پاک ہے میرا رب میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں۔ اس میں نبی کریم صاف اور غیر تاویل طلب الفاظ میں اپنا آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانا بوجہ بشر ہونے کے ممتنع قرار دیتے ہیں۔ تو مسیح ناصری باوجود بشر ہونے کے کسطرح آسمان پر تشریف لیجے

بقیہ حاشیہ۔ ہرگز یہ مذہب تھا۔ کہ ان علامات کا ظاہر میں موجود ہونا ضروری ہے۔ مقدبر باقی رہا یہ اعتراض کہ نبی کریم نے دجال کو ایک آدمی کی صورت میں دیکھا۔ سو یہ کوئی جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ خوابوں اور کشوف میں اکثر اوقات کئی چیزیں ایک چیز کی شکل میں نظر آجایا کرتی ہیں مثلاً عزیز مصر نے سات سالہ قحط کے متعلق خواب میں سات دُبلی گائیں دیکھی تھیں۔ جنکی حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر یہ کی۔ کہ ایک دبلی گائے قایم مقام ہے ایک سال کے۔ تمام جانداروں کے جو قحط میں اپنی زندگی گذارینگے۔ اسیطرح پر ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم کے دجال کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھنے سے وحدت نوعی مُراد ہے۔ خصوصاً جب دجال کے معنی بھی فرقۃ عظیمۃ (ایک بڑے گروہ) کے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ جو فتنے دجال کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ ان کا ایک فرد واحد کے ساتھ وابستہ ہونا محالات عقلی سے ہے۔ پھر دجال کی اصلاح بھی تعیین ہوتی ہے۔ کہ نبی کریم نے اس کے فتنہ سے بچنے کے لئے ہم کو ایک علاج بتایا ہے۔ اور وہ یہ کہ من ادرکہ منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکھف فانھا جوارکم من فتنتہ + (صحیح مسلم کتاب الفتن) یعنی جو تم میں سے دجال کو پاوے۔ وہ اسکے فتنہ سے بچنے کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ اب ہم سورہ کہف کی ابتدائی آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو وہاں سراسر مسیحی مذہب کی تردید کا ہی ذکر پاتے ہیں۔ جیساکہ اس آیت سے ہی ظاہر ہے۔ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں یعنی آیت کبرت کلمۃ الخ علاوہ ازیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی موقعہ پر تو مسیح موعود کا بڑا کام کسر صلیب بتایا ہے۔ اور کسی جگہ دجال کا قتل۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان ہر دو [illegible]

گئے۔ کیا ان کا آسمان پر زندہ چلے جانا ان کو بشر سے کوئی بالا ہستی نہیں ثابت کرتا۔ پس اس آیت کے ہوتے ہوئے کون مسلمان کہلانے والا انسان اس بات کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ مسیح آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے بظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو افضل الرسل ہیں۔ وہ اپنے آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانے کے رستہ میں صرف اپنی بشریت کو ہی بطور روک کے بیان کرتے ہیں۔ تو مسیح جو ان سے درجہ میں چھوٹا تھا۔ وہ کس طرح آسمان پر جا پہونچا۔ افسوس! مسلمان مسیح کو آسمان پر بٹھا کر نہ صرف اپنے نبی کی ہتک کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک سراسر باطل عقیدہ میں عیسائیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں وہ بات دے رہے ہیں۔ جس سے وہ بڑی آسانی کے ساتھ مسیح کی خدائی ثابت کر سکتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ❊ کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

حقیقت معراج

اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ صاف الفاظ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانے کو بوجہ آپ کی بشریت کے ممتنع قرار دیتا ہے۔ تو پھر معراج کے موقعہ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح آسمان پر جا پہونچے۔ اسکے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک نہایت لطیف کشف تھا۔ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی آئندہ ترقیات کے متعلق دکھایا گیا۔ جو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوئی اور ہو رہی ہیں۔ خود سلف صالحین کا ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے۔ کہ معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک نہایت لطیف کشف تھا۔ جس میں آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ اسی لیئے قرآن شریف میں معراج کو رؤیا کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ جسکے معنے نظارہ کے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔ (بنی اسرائیل رکوع ۶) پھر حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کا جسم مبارک معراج کی رات زمین سے جدا نہیں ہوا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ معراج ایک لطیف کشف تھا جس میں آنحضرت صلعم کو آپکی آئندہ بے نظیر ترقیات کا نظارہ دکھایا گیا۔ اور اسی وجہ سے معراج ایک عظیم الشان نشان ٹھہرا ہے۔

تعجب ہے باوجود ان کھلی کھلی آیات کے آج کل مسلمان ایسے غلط عقیدہ پر جمے ہوئی ہیں۔ قرآن شریف
میں کہیں نہیں لکھا۔ کہ مسیح زندہ بجسم عنصری آسمان کیطرف اٹھایا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ ہم کو دکھلا دے۔
تو ہم سب سے پہلے ماننے کو تیار ہیں۔ مگر سارے قرآن شریف میں ایک آیت بھی ایسی نہ پاؤ گے۔ جو مسیح کا
زندہ بجسم عنصری آسمان پر جانا ثابت کرے۔ مسیح کے متعلق رفعہ اللہ الیہ (یعنی اللہ نے مسیح کو
اپنی طرف اٹھایا) کا لفظ استعمال کیا جانا ہرگز ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ زندہ آسمان کی طرف
اٹھایا گیا۔ کیونکہ خدا کے کلام میں رفع سے مراد روحانی رفع ہوتا ہے نہ کہ جسمانی۔ جیسا کہ بلعم باعور
کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض (پارہ ۹ رکوع ۱۲)
یعنی ہم چاہتے تو اپنے نشانات کے ذریعہ اس کا رفع کرتے۔ لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔
اب اس جگہ سب مانتے ہیں کہ رفع سے رفع روحانی مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ حالانکہ یہاں پر تو
زمین کا مخالف قرینہ بھی موجود ہے۔ تو پھر کیوں خواہ مخواہ مسیح کے متعلق اسی لفظ کو رفع
جسمانی کے معنوں میں لیا جاوے۔ آخر مسیح کے اندر وہ کون سی بات ہے کہ جب کسی اور کے
متعلق رفع کا لفظ استعمال ہو۔ تو اسکے معنے رفع روحانی کے ہوں۔ لیکن جب مسیح کے
متعلق یہی لفظ استعمال ہو تو فوراً اسکے معنے رفع جسمانی سے بدل جائیں۔ خواہ مخواہ تحکم
سے ایک بات کہہ دینی اور بات ہے۔ مگر غور تو کرنا چاہیئے۔ کہ جب خدا کے کلام میں رفع
سے مراد رفع روحانی ہوتا ہے۔ تو کیوں مسیح کے متعلق اس سے رفع جسمانی مراد لیا
جاوے۔

پھر غور فرمایئے۔ اللہ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مسیح آسمان کیطرف اٹھایا گیا۔ بلکہ یہ
فرمایا کہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ صرف
آسمان کے اندر محدود نہیں۔ پس اسکی طرف اٹھائے جانے کے معنے آسمان کی طرف
اٹھائے جانے کے کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اسکی طرف اٹھائے جانے کے معنے تو لامحالہ
رفع روحانی ہی کے ہونگے۔ کیونکہ جب وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ تو اسکی طرف رفع جسمانی
کیسا۔ اور اگر مسیح کا رفع الی اللہ بصورت جسمانی مانا جاوے۔ تو یہ ایک کلمہ مہمل ہوگا جس
کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ جہاں مسیح تھا۔ وہاں پر ہی اسے رہنے دیا۔ کیونکہ خدا ہر جگہ موجود ہے

پس ثابت ہوا۔ کہ یہاں صرف رفع روحانی ہی مراد ہو سکتا ہے ؛

پھر دیکھئے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔ اذا تواضع العبد رفعہ اللہ الی السماء السابعۃ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) یعنی اللہ پاک کی خاطر جو شخص تواضع کو اختیار کرتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے۔ تو کیا اسجگہ بجسم عنصری آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے معنے ہیں۔ اگر یہی ہیں تو نعوذ باللہ خدا کا یہ وعدہ غلط نکلا۔ کیونکہ نبی کریم اور تمام صحابہ اور بعد کے مسلمانوں میں سے نیک لوگ تمام خدا کے لئے تواضع اختیار کرتے رہے ہیں مگر انمیں سے کوئی فرد واحد بھی آسمان کی طرف زندہ بجسم عنصری نہ اٹھایا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ اسجگہ یہ مراد نہیں کہ تواضع کرنے والے زندہ بجسم عنصری آسمان کی طرف اُٹھائے جائینگے۔ بلکہ صرف یہ مراد ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کے درجوں کو بلند کریگا۔ اور ان کو رفع روحانی نصیب ہوگا۔ اور یہی معنے ہیں۔ جو ہمارے مخالف علماء بھی قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں پر آسمان کا لفظ بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ تو پھر کیوں مسیح کے متعلق رفع الی اللہ سے یہ مراد لیا جاتا ہے۔ کہ وہ زندہ بجسم عنصری آسمان پر اٹھایا گیا ؛

وفات مسیح

یہاں تک ہمنے قرآن اور احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہرگز ہرگز زندہ بجسم عنصری آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ انھوں نے فیصلہ خدائی کے موافق زمین ہی پر اپنی زندگی کاٹی۔ اب میں بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ مسیح آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ وہ فوت بھی ہو چکے ہیں۔ ہر چند کہ ہمارا یہ فرض نہیں کہ مسیح کو فوت شدہ ثابت کریں۔ کیونکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ دنیا دار فانی ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ فوت ہی ہوگا۔ جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا :۔ کل نفس ذائقۃ الموت یعنی ہر متنفس پر موت آئیگی۔ لیکن چونکہ عوام میں عقیدہ پھیلا ہوا ہے۔ کہ مسیح اب تک بقید حیات ہیں۔ اسلئے اس غلطی کا ازالہ بھی ضروری ہوا۔ سو قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے :۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (پارہ ۴ رکوع ۶) یعنی نہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مگر ایک رسول ان سے پہلے جتنے رسول ہوئے وہ سب فوت ہو گئے۔ تو کیا اگر یہ بھی ان کی طرح فوت یا قتل ہو جاویں۔ تو تم اپنی ایڑیوں

کے بل پھر جاؤ گے۔" اس آیت کریمہ میں کس وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وفات مسیح کے عقیدہ کا فیصلہ کر دیا ہے۔ کیونکہ صاف فرما دیا ہے کہ جتنے رسول آنحضرت سے پہلے گذرے۔ وہ سب وفات پا گئے۔ تو اب جھگڑا ہی کیا رہا۔ مگر مخالفین کی طرف سے ابھی جھگڑا باقی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ خلا کا لفظ جو اس آیت میں واقع ہوا ہے۔ اس کے معنی صرف جگہ چھوڑ جانے اور گذر جانے کے بھی ہیں۔ اور جو آسمان پر چلا جاوے۔ وہ بھی جگہ چھوڑ جاتا اور گذر جاتا ہے۔ بہت خوب! جب لغت نے ہم کو یہ بتایا۔ کہ خلا کے معنے فوت ہو جانے کے بھی ہیں۔ اور جگہ چھوڑ جانے اور گذر جانے کے بھی۔ تو ان ہر دو معنوں میں سے ایک کی تعیین کرنے کے لئے ہم کو چاہیئے۔ کہ اسی آیت پر نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ آیت کے اندر قرائن کن معنوں کی تعیین کر رہے ہیں۔ کیا مطلق جگہ چھوڑ جانے کی یا وفات کے ذریعہ اس جہان فانی سے گذر جانے کی۔ کیونکہ خلا کے دو معنے ہی ہیں جو لغت ہم کو بتاتی ہے۔ مخالف کے معنوں پر تو ہم کو سند لانے کی ضرورت نہیں۔ مگر اب اس کے ثبوت میں کہ خلا کے معنی فوت ہونے کے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تاج العروس فی شرح القاموس وہاں لکھا ہے۔ خلا فلان اذا مات یعنی خلا فلان کے یہ معنی ہیں۔ فلاں شخص وفات پا گیا۔ اب ہم آیت زیر بحث پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ سیاق سباق صاف ہمارے معنوں کی تائید کرتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل۔ یعنے محمد رسول اللہ سے پہلے جتنے رسول ہوئے۔ وہ فوت ہو گئے۔ کیا اگر وہ بھی وفات پا جائیں یا قتل کر دئے جاویں۔ تو تم اسلام سے پھر جاؤ گے۔ اس آیت میں یہ الفاظ کہ افان مات او قتل۔ ہم کو صاف بتا رہے ہیں۔ کہ گذشتہ نبی یا تو طبعی موت کے ذریعہ یا قتل کے ذریعہ اس جہان کو چھوڑتے رہے۔ یعنی ان کا اس دنیا کو چھوڑنا صرف ان ہی دو طریقوں پر ہوتا رہا۔ اگر گذشتہ نبیوں میں سے کوئی نبی آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہوتا۔ یا مذکورہ طریقوں کے سوا کسی اور طریق پر کسی کا گذر جانا وقوع میں آیا ہوتا۔ تو اس صورت کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ اور یا مسیح کی استثنائی صورت ہی بیان کر دی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ خدا نے صرف طبعی موت اور قتل والی ہی دو صورتوں کو بیان فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس آیت میں خلا کے معنے یا طبعی موت سے مرنے

کے لئے جاوینگے۔ اور یا قتل کے ذریعہ اس جہان فانی کو چھوڑ جانے کے۔ لیکن چونکہ دوسری جگہ
اللہ تعالیٰ نے مسیح کے متعلق قتل کی نفی کی ہے۔ اسلئے ثابت ہوا۔ کہ مسیح نے اپنی طبعی موت سے
وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خود گذشتہ مفسرین نے بھی اسجگہ خلا کے معنے
وفات پا جانے کے کئے ہیں۔ کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں۔ و سیخلو کما خلوا
بالموت او القتل۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح اس دار فانی کو چھوڑ جاینگے
جسطرح گذشتہ تمام انبیاء طبعی موت کے ذریعہ یا قتل کے ذریعہ دنیا کو چھوڑ گئے۔ پھر اس آیت کے
معنے اور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ جب ہم اس کو ایک مشہور تاریخی واقعہ کی روشنی میں دیکھتے
ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ
اور بعض اور صحابہ آپ کو ابھی تک زندہ ہی سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ تو اپنے اس خیال پر
اس قدر جمے ہوئے تھے کہ انہوں نے نیام سے تلوار کھینچ لی۔ اور کہا کہ اگر کوئی کہیگا کہ رسول کریم
فوت ہو گئے۔ تو میں اسکی گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے۔ اور
حضرت عمرؓ کو پکار کر کہا۔ علے رسلك ایها الحالف۔ او قسم کھانے والے ذرا صبر کر۔
پھر آپ نے سب صحابہ کرام کو مخاطب کر کے تقریر شروع فرمائی۔ اور یہی آیت پڑھی کہ ۔ وما محمد
الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔ یعنی محمد تو صرف خدا کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے
جتنے رسول ہوئے۔ وہ سب فوت ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پر اس آیت کے سننے سے اس قدر
اثر ہوا۔ کہ وہ کھڑے نہیں رہ سکے۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا پیارا آقا اللہ کا ایک رسول تھا
پس جسطرح اس سے پہلے تمام رسول فوت ہو گئے۔ ضرور تھا کہ وہ بھی اس دروازہ سے گذرتا۔ اب
سوال یہ ہے کہ اگر کوئی گذشتہ نبی اس وقت تک زندہ ہوتا۔ تو حضرت ابو بکرؓ کے اس استدلال پر کہ
چونکہ گذشتہ تمام نبی وفات پا چکے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی فوت ہونا تھا صحابہ
کرام ضرور اعتراض کرتے۔ خاص کر حضرت عمرؓ۔ اور انکے ہم خیال، تو ضرور بول اٹھتے۔ مگر
سب صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اتفاق کر کے اس استدلال پر مہر لگا دی۔ گویا
آنحضرت کے بعد جس مسئلہ پر سب سے پہلا اجماع صحابہ کرام کا ہوا۔ وہ یہی تھا کہ گذشتہ تمام انبیاء جنمیں
مسیح ناصری بھی شامل ہیں۔ وفات پا چکے ہیں۔ گذشتہ انبیاء میں سے اگر ایک نبی بھی زندہ تصور کیا

جاوے۔ تو یہ استدلال باطل ٹھہرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ پھر سورۃ مائدہ کے آخری رکوع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شی شھید۔ یعنی جب خدا نے کہا اے عیسیٰ بیٹے مریم کے۔ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ تو عیسیٰ نے جواب دیا کہ پاک ہے تیری ذات۔ مجھے زیبا نہیں کہ وہ کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہے۔ تو تو اسے جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے۔ اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہو۔ تو تو بے شک غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ اور وہ یہ کہ عبادت کرو اس کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور میں ان پر نگران رہا۔ جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دیدی۔ تو پھر تو تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا اور تو ہر ایک چیز کو دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت میں صاف الفاظ میں حضرت مسیح یہ بیان کرتے ہیں کہ میں وفات پا چکا ہوں مگر مسلمان ہیں کہ باوجود اس کے اب سے آسمان پر زندہ بٹھائے ہوئے ہیں اس آیت میں مسیح کی وفات کے متعلق جو وضاحت ہے۔ اس سے بڑھ کر وضاحت تصور میں نہیں آ سکتی۔ مگر اس میں بھی ہمارے مولوی شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ یہ سوال و جواب خدا کا مسیح سے قیامت کے دن ہوگا۔ اور چونکہ قیامت سے پہلے بہرحال مسیح وفات پا چکا ہوگا اس لئے یہ آیت اس بات پر دلیل نہیں ہو سکتی۔ کہ مسیح واقعی آج سے پہلے وفات پا چکا ہے اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ چلو ہم اس بات کو قبول کر لیتے ہیں کہ یہ سوال جواب قیامت ہی کے دن ہوگا۔ لیکن پھر بھی تو یہ آیت صاف طور پر مسیح پر فاتحہ خوانی کر رہی ہے۔ کیونکہ

مسیح کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔ کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب
علیھم یعنی میں لوگوں پر نگران رہا۔ جب تک میں ان کے درمیان رہا لیکن جب تو نے مجھے
وفات دیدی۔ تو پھر تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا۔ اسمیں حضرت مسیح صرف دو زمانوں کا ذکر کرتے
ہیں۔ جنمیں سے دو یکے بعد دیگرے گذرے۔ پہلا زمانہ وہ ہے۔ جب وہ اپنے متبعین کے اندر
موجود تھے۔ جیسا ما دمت فیھم کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور دوسرا زمانہ ان کی وفات کا
ہے۔ جو الفاظ فلما توفیتنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر پہلے زمانہ یعنی متبعین کے درمیان
رہنے والے زمانہ کے بعد مسیح پر بجائے وفات کے آسمان پر اٹھائے جانے کا زمانہ
آیا ہوتا۔ تو موجودہ جواب کی جگہ مسیح کو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ ما دمت فیھم فلما رفعتنی
الی السماء حیاً۔ یعنے میں اپنے متبعین پر نگران رہا۔ جب تک انکے درمیان رہا۔ پھر
جب تونے مجھے زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا الخ۔ مگر مسیح کا جواب نہیں۔ اسلئے ثابت ہوا
کہ متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کے بعد جو زمانہ مسیح پر آیا وہ وفات ہی کا تھا۔ غور
فرمالیجئے۔ جو جواب مسیح نے دیا ہے۔ وہ ہم کو صاف بتا رہا ہے کہ وہ چیز جو مسیح کے
پہلے زمانہ یعنی متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کو کاٹنے والی اور نیا دور شروع
کرنیوالی ہے۔ وہ سوائے مسیح کی وفات کے اور کچھ نہیں۔ اگر پہلے زمانہ کو کاٹنے والی چیز آسمان پر
جانا ہوتا۔ تو ما دمت فیھم فلما توفیتنی والا جواب صریحاً غلط ٹھہرتا ہے۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے سوال کے جواب میں مسیح اسبات سے
اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے متبعین ان کو اور ان کی ماں کو بطور خدا کے پوجنے
لگ گئے۔ جیسا کہ ان کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ما قلت لھم الا ما امرتنی
بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفیتنی
کنت انت الرقیب علیھم۔ یعنی اے خدا میں تو اپنے متبعین کو وہی تعلیم دیتا رہا۔ جو تو نے
مجھے حکم دیا۔ اور وہ یہ کہ عبادت کرو۔ اسکی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان پر نگران
رہا۔ جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ لیکن جب اے خدا تو نے مجھے وفات دیدی۔ تو
پھر تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا۔ مسیح کے اس جواب سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے متبعین

کے بگڑ جانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کر کے اپنی بریت کا اظہار کرتے ہیں جسکے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ مسیحی لوگ حضرت مسیح کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔ کیونکہ مسیح صاف فرماتا ہے۔ کہ جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ اسوقت تک میننے ان کو گمراہ نہیں ہونے دیا۔ بلکہ میں انکی نگرانی کرتا رہا۔ لیکن جب اے خدا تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر مجھے کیا علم۔ کہ انہوں نے کیا کیا۔ پھر تو اے خدا تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا۔ پس اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ عیسائی گمراہ ہو چکے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئے تو خیر۔ حضرت مسیح زندہ ہونگے۔ لیکن اگر وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور ضرور ہو چکے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ مسیح بھی وفات پا چکا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔ کہ مسیح کی وفات عیسائیوں کے گمراہ ہونے سے پہلے واقع ہوئی۔ اب یہ آیت کریمہ کس صفائی کے ساتھ مسیح کو وفات شدہ ثابت کر رہی ہے۔ یہ سوال کہ قیامت کیا قیامت کے بھی دس ہزار سال بعد ہو۔ ہم کو اس سے غرض نہیں۔ مگر مسیح کی وفات بہر حال مسیحیوں کے گمراہ ہونے اور بگڑنے سے پہلے واقع ہوئی۔ اور چونکہ مسیحی لوگ یقیناً مسیح کی اصل تعلیم کو چھوڑ چکے ہیں۔ اور مسیح کو خدا ماننے لگ گئے ہیں۔ بلکہ نبی کریم کے زمانہ مبارک سے بھی پہلے کے اس باطل عقیدہ پر قائم ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے:-

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ (پارہ ۶ رکوع ۱۴) یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ جنھوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ مسیح کم از کم آنحضرت کے زمانہ مبارک سے پہلے وفات پا چکا تھا۔ وھو المراد ؎

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مسیح موعود جس کی آمد آخری دنوں میں مقدر ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ مانا جاوے کہ حضرت مسیح ناصری ہی قیامت سے پہلے نازل ہونگے۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ قیامت سے پہلے ہی اپنی امت کے فساد سے واقف ہو جائینگے۔ اور ان کو علم ہو جائے گا۔ کہ میری امت مجھ کو خدا بنا رہی ہے۔ تو وہ قیامت کے دن کس طرح اپنی لاعلمی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مسیح کی طرف سے یہ نعوذ باللہ سیاہ جھوٹ ہو گا۔ اگر وہ باوجود پورا علم رکھنے کے پھر خدا کے سامنے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ وہ ہرگز قیامت سے پہلے نہیں نازل ہونگے۔ اب اگر بفرض محال مان بھی

لیا جاوے۔ کہ مسیح آسمان پر تشریف لے گئے ہیں۔ اور توفّی کے وہی معنی قبول کر لئے جاویں۔ جو ہمارے
مخالف خواہ مخواہ تحکم سے محاورہ عرب کے خلاف (جیسا کہ ابھی ہم ثابت کر دینگے) کہتے ہیں
یعنے پورا اٹھا لیا۔ پھر بھی یہ آیت مسیح کے دوبارہ نزول کے راستہ میں ایک ایسا گراں پتھر ہے
جو اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ بہرحال یہ مسلّم ہے۔ کہ مسیح قیامت کے دن خدا کے
سامنے اپنی امت کے بگڑ جانے سے لاعلمی ظاہر کرینگے۔ لہذا یہ ثابت ہوا۔ کہ قیامت کے
دن سے پہلے وہ اپنی اُمت کو فساد اور گمراہی کی حالت میں کبھی نہیں دیکھینگے۔ لیکن ہم جا
آسکتے ہیں۔ کہ اگر وہ دوبارہ نازل ہوں۔ تو قیامت سے پہلے ہی ان کو اپنی اُمت کے بگڑ
جانے کا علم ہو جائیگا۔ خاصکر جب مسیح موعود کا بڑا کام ہی کسر صلیب ہے۔ تو اس صورت میں
لاعلمی کا اظہار کیسا؟ لہذا ثابت ہوا۔ کہ اگر بفرض محال حضرت مسیح آسمان پر تشریف بھی لے
گئے ہیں۔ پھر بھی آنے والا مسیح یقیناً اور ہے۔ اور مسیح ناصری وہیں آسمان پر کسی جگہ
فوت ہو کر دفن کر دئے گئے ہوں گے۔ کیونکہ بہرحال ایک بشر کا آسمان پر ہونا اسے
موت سے تو نہیں بچا سکتا *

اب رہی لفظ توفّی کی بحث۔ جو اس آیت میں واقع ہوا ہے۔ اور جسکے معنے ہمارے مخالف
پورا اُٹھا لینے کے کرتے ہیں۔ سو اس کے متعلق اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ عربی زبان کی
رُو سے جب خدا فاعل ہو۔ اور انسان مفعول بہ۔ تو توفّی کے معنے سوائے روح قبض کر
لینے کے اور کوئی نہیں ہوتے۔ یہ ہمارا دعوٰی ہے۔ جسے ہم ہر طرح ثابت کرنے کے
لئے تیار ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے بہت انعام مقرر کیا۔ اور مخالف مولویوں کو یہ چیلنج دیا کہ
وہ کہیں یہ دکھا دیں کہ جب خدا فاعل ہو۔ اور انسان مفعول بہ۔ تو سوائے قبض رُوح کے
توفّی کے کوئی اور معنی ہوں۔ مگر کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی گئی۔ آج ہم اس چیلنج کو دہراتے
ہیں۔ دیکھیں کوئی جواب ملتا ہے یا نہیں؟ تاج العروس جو لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے
اس میں لکھا ہے۔ توفاہ اللہ عزوجل اذا قبض نفسہ (وفی الصحاح روحہ) یعنی
جب ہم کہیں کہ توفاہ اللہ۔ تو اسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اللہ نے اس کی رُوح قبض کر لی
پھر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ توفی فلان اذا مات۔ یعنی جب کوئی مر جاوے۔ تو کہتے ہیں

توفّی فلان - پس یہ یقینی ہے کہ توفّی کے معنی (جب خدا فاعل ہو اور انسان مفعول بہ) صرف
قبض روح کے ہوتے ہیں - ہاں یہ ضرور ہے - کہ چونکہ نیند میں بھی ایک حد تک قبض روح ہوتا
ہے اس لئے توفی کا لفظ سلا دینے پر بھی استعمال ہوتا ہے - لیکن چونکہ نیند کے وقت کا قبض
روح عارضی اور ناقص ہوتا ہے - اس لئے اصل اور مستقل معنی توفی کے وفات دینے ہی کے
ہیں - اسی لئے یہ قاعدہ ہے - کہ جب توفّی کو سلا دینے کے معنوں میں استعمال کرنا ہو - تو
اسکے ساتھ کوئی قرینہ لاتے ہیں - جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہاں پر کامل قبض روح مراد
نہیں - جو وفات کے وقت ہوتا ہے بلکہ نیند کے وقت کا قبض روح مراد ہے - جیسا کہ قرآن
شریف میں خدا فرماتا ہے :-

ھو الذی یتوفاکم باللیل - (پارہ ۷ رکوع ۱۳) یعنی خدا ہی ہے - جو رات کے وقت
تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے - یہاں توفّی کا لفظ نیند کے وقت قبض روح کرنے کے معنوں
میں استعمال ہوا ہے - کیونکہ رات کا قرینہ ساتھ لگا ہوا ہے - لیکن وفات کے وقت قبض روح
کرنے کے معنوں میں لفظ توفّی کو استعمال کرنے کے لئے کسی قرینہ کے لانے کی ضرورت
نہیں - چنانچہ خدا فرماتا ہے :-

اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک - یعنی اے نبی ہم جو کفار کو عذاب کے
وعدے دیتے ہیں - ان میں سے یا تو بعض تجھ کو دکھا دینگے - اور یا پہلے تجھے وفات دیدینگے -
پھر فرمایا :- ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین - (پارہ ۹ رکوع ۴) یعنی اے ہمارے رب ہمارے
ہم کو صبر کی کامل توفیق عطا کر - اور ہم کو اس حالت میں وفات دے - کہ ہم تیرے فرمانبردار رہیں
ان ہر دو آیتوں میں توفّی کا لفظ وفات دینے کے معنوں میں آیا ہے - اور کوئی قرینہ وغیرہ ساتھ
نہیں - اسکے علاوہ خود آیت زیر بحث پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے - کہ یہاں توفّی وفات دینے
کے معنوں میں استعمال ہوا ہے - کیونکہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں - کنت علیھم شھیدا مادمت
فیھم فلما توفیتنی - یعنی میں ان کا نگہبان رہا - جب تک میں ان کے درمیان رہا - مگر جب تو
نے میری روح قبض کر لی الخ اب اسجگہ مادمت فیھم کا قرینہ اس بات پر صاف شاہد ہے - کہ
یہاں وہ قبض روح مراد ہے جسکے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ اپنے متبعین کے درمیان سے اٹھ گئے -

اور ان کے اندر نہ رہے۔ کیونکہ الفاظ ما دمت فیھم اور فلما توفیتنی۔ ایک دوسرے کے مقابلہ میں واقع ہوئے ہیں۔ پس یہاں نیند والا قبض روح مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ نیند والا قبض روح ما دمت فیھم کے مقابل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس زمانہ کے اندر شامل ہے۔ حالانکہ یہاں پر لفظ توفیتنی الفاظ ما دمت کے مقابل میں رکھا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہاں توفّی کے معنے صرف وفات دینے کے ہیں۔ جسکے نتیجہ میں حضرت مسیح اپنے متبعین کو داغ جدائی دے گئے۔

غرض توفّی کے لفظ پر اڑنا پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ اور پھر تعجب ہے کہ جب یہی لفظ توفّی کا کسی اور شخص کے لئے استعمال ہو۔ تو اسکے معنے وفات دینے کے کئے جاتے ہیں۔ لیکن جونہی یہ لفظ حضرت مسیح ناصری کے متعلق استعمال ہوا۔ فوراً اسکے معنے آسمان پر اٹھا لینے کے ہو جاتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر دیکھئے یہی الفاظ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی۔ جو مسیح قیامت کے روز استعمال کرے گا۔ یہی نبی کریم صلعم استعمال فرمائینگے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں لکھا ہے۔ کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا۔ اور اپنے متبعین کو پانی تقسیم کر رہا ہوں گا۔ اچانک لوگوں کا ایک گروہ میرے سامنے آئیگا۔ جن کو فرشتے دھکیلے لئے جا رہے ہونگے۔ ان کو دیکھ کر میں پکار اٹھوں گا۔ اصیحابی اصیحابی۔ یہ تو میرے صحابہ کا ایک گروہ ہے۔ یہ تو میرے صحابہ کا ایک گروہ ہے۔ اس پر جواب ملیگا۔ انک لا تدری ما احدثوا بعدک انھم لم یزالوا مرتدین علے اعقابھم یعنی آپ نہیں جانتے۔ ان لوگوں نے آپکے بعد کیا رنگ بدلا۔ یہ تو اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ نبی کریم فرماتے ہیں کہ اقول کما قال العبد الصالح عیسیٰ بن مریم۔ کنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم فلما توفیتنی الخ۔ یعنی میں بھی کہوں گا۔ جیسا کہ ایک نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ میں ان پر نگران رہا۔ جب تک ان کے درمیان رہا۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دیدی۔ تو پھر تو ہی اے خدا ان کو دیکھنے والا تھا۔ اس حدیث سے دو استدلال ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ جسطرح قیامت کے روز عیسیٰ بن مریم اپنی اُمت کے بگڑ جانے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرینگے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کرینگے۔ دوسرے یہ کہ توفّی

کے معنی آسمان کی طرف اُٹھا لینے یا سُلا دینے کے نہیں ہیں۔ بلکہ وفات دینے کے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی توفی کا لفظ استعمال کر کے اسکے معنوں کی تعیین فرما دی۔ اسی لئے امام بخاریؒ اس حدیث کو بخاری کی کتاب التفسیر میں لائے ہیں ؞

اب جبکہ قرآن شریف سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حضرت مسیح وفات پا گئے ہیں۔ تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث اس مسئلہ پر کیا کہتی ہے۔ سو سنئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان عیسیٰ بن مریم عاش عشرین ومأۃ سنۃ (طبرانی عن حضرت فاطمہ رضی) یعنی تحقیق عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس ۱۲۰ سال زندہ رہے۔ دیکھئے یہ حدیث نبوی کس صفائی کے ساتھ حضرت مسیح کی وفات کی خبر دے رہی ہے۔ پھر ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔ لو کان عیسیٰ وموسیٰ حیین لما وسعہما الا اتباعی۔ (زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۶ صفحہ ۴۷) یعنی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا ؎

سبحان اللہ اس حدیث نے تو حد ہی کر دی۔ مسیح کی وفات پر ہزار سورج چڑھا دیا۔ اور اس مسئلہ کے دور سے دور کے گوشہ میں کوئی تاریکی نہیں چھوڑی۔ اس سے بڑھکر مسیح کی وفات کا کیا ذکر ہو گا کہ آنحضرت نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ اگر وہ زندہ ہوتا۔ تو میری پیروی کے بغیر اُسے بن آتی+

ان تمام دلائل سے جو قرآن شریف اور احادیث سے میں نے دئے ہیں۔ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح اور انسانوں کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اب اگر بفرض محال کوئی ایسی حدیث یا قرآنی آیت ہو بھی جنمیں ہمارے مخالفوں کے نزدیک اسبات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہو۔ کہ حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہیں۔ تو قرآن شریف کے بتلائے ہوئے گر کے مطابق ہم کو چاہیئے کہ ایسی آیت یا حدیث کے وہ معنی نہ کریں۔ جو آیات محکمات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ تمام متشابہات کو محکمات کے ماتحت لادیں۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ ماننا ہو گا کہ خدا کے کلام میں تناقض ہے۔ جب قرآن شریف کی آیات اور آنحضرت ص کی احادیث صاف اور غیر تاویل طلب الفاظ میں ہم کو بتا رہی ہیں کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں تو اس مضمون پر اور جسقدر بھی آیات اور احادیث ہوں۔ ان تمام کو ان کے ماتحت لانا چاہیئے۔ مگر انشاء اللہ ہم کو اسبات کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ کوئی قرآنی آیت ایسی

نہیں ہے۔ جسمیں یہ بتایا گیا ہو۔ کہ مسیح اب تک زندہ ہے۔ اگر کوئی ہے۔ تو اُسے پیش کیا جاوے۔ مگر سارا
قرآن شریف دیکھ جاؤ۔ ایک آیت بھی ایسی نہ پاؤ گے۔ جسمیں حیات مسیح کا ذکر ہو*۔ اسی طرح کوئی
صحیح حدیث ایسی نہیں ہے۔ جسمیں یقینی طور پر مسیح کی حیات کا ذکر ہے۔ ہاں اسکے خلاف ایسی
کئی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ جنمیں صاف طور پر مسیح کی وفات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

حیات مسیح کے عقیدہ پر اجماع کبھی نہیں ہوا

اب سوال ہوتا ہے کہ جب قرآن شریف اور احادیث صاف طور پر
مسیح کی وفات کی شہادت دے رہی ہیں۔ تو اسکے حیات کے
غلط عقیدہ پر کسطرح تمام اُمت کا اجماع ہو گیا۔ اس کے
جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ بالکل غلط ہے کہ اس
باطل عقیدہ پر تمام اُمت کا اجماع رہا ہے۔ سلف صالحین میں بہت لوگ ایسے گذرے ہیں۔
جنہوں نے صاف وفات مسیح کا اقرار کیا ہے۔ دیکھئے۔ حضرت ابن عباسؓ جو رسول کریمؐ کے
چچازاد بھائی تھے۔ اور جن کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ ان کو قرآن شریف
کا فہم عطا ہو۔ انہوں نے متوفیک کے معنے ممیتک بیان کر کے صاف اپنے عقیدہ کا اظہار
کر دیا کہ مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ پھر امام بخاری جو محدثین کے مسلمہ امام ہیں۔ انہوں نے اپنی

---

* ہمارے مخالفین آیت وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ (سورۃ النساء رکوع ۲۲)
اور انہ لعلم للساعۃ (سورۃ زخرف) سے مسیح علیہ السلام کی حیات ثابت کرنے کی بے سود
کوشش کیا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص ان آیات پر ان کے سیاق سباق کو مدنظر رکھ کر تدبر کرے گا
اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان آیات کو مسیح کی حیات سے کسی طور پر بھی کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ
مقدم الذکر آیت میں تو صرف یہ بتایا گیا تھا۔ کہ تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے یہی یقین رکھینگے
کہ مسیح قتل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس آیت سے پہلے ان کے اس خیال کا ذکر کیا گیا ہے۔
(وقولھم انا قتلنا المسیح) ہاں موت کے بعد بے شک ان پر حقیقت حال منکشف ہو جائیگی
اور موخر الذکر آیت میں مسیح کے وجود کو بوجہ اسکے بے باپ پیدا ہونے کے قیامت کی دلیل
میں پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اگلے فقرہ فلا تمترن بھا سے ظاہر ہے۔ منہ۔

صحیح میں اسکو درج کرکے اوپر مُہر لگا دی۔ پھر مجمع البحار جلد اصفحہ ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ والاکثر ان عیسیٰ علیہ السلام لم یمت وقال مالک مات۔ یعنی بہت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے۔ لیکن امام مالک رح فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ رض اور امام احمد بن حنبل رض اور امام شافعی رض جنھوں نے بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں امام مالک سے اختلاف کیا ہے۔ اس مسئلہ میں بالکل خاموش رہے۔ جس کو انہوں نے اثبات پر مُہر لگا دی۔ کہ ان کے خیال میں بھی مسیح واقعی وفات پا چکے ہیں۔ پھر ابن حزم کی نسبت کمالین حاشیہ جلالین صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے۔ کہ وتمسک ابن حزم بظاھر الآیت وقال بموتہ۔ یعنی ابن حزم نے ظاہر آیت پر تمسک پکڑا ہے۔ اور مسیح کی وفات بیان کی ہے۔ یہ چند نام ہمنے مثال کے طور پر لکھے ہیں۔ ورنہ اور بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں۔ جنہوں نے مسیح کی وفات کو مانا ہے پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ سب سے پہلا اجماع جو صحابہ کرام کا ہوا۔ وہ اسی بات پر تھا کہ نبی کریم سے پہلے جتنے نبی گذرے۔ وہ سب فوت ہو گئے۔ اور صحابہ کے زمانہ مبارک کے بعد تو اُمت محمدیہ کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں میں پھیل گئی۔ اسلیئے صحابہ کے بعد کے زمانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق اجماع کا دعویٰ کرنا ہی غلط ہے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ کہ جو اجماع کا دعویٰ کرے۔ وہ جھوٹا ہے۔ (دیکھو مسلم الثبوت وغیرہ کتب اصول) پس یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ اس باطل عقیدہ پر اُمت محمدیہ کا اجماع رہا ہے۔ بلکہ اگر کبھی کسی عقیدہ پر اُمت کا اجماع ہوا ہے۔ تو وہ وفات مسیح ہی کا عقیدہ ہے۔ کما مرّ۔ ہاں یہ درست ہے کہ کئی صدیوں سے مسیح ناصری کی حیات کا مسئلہ عام طور پر مسلمانوں کے اندر رائج ہے۔ مگر اسمیں کوئی حرج نہیں۔ غلط عقاید پھیل ہی جایا کرتے ہیں۔ دیکھئے آج مسلمانوں کے تہتّر فرقے ہو رہے ہیں۔ جنمیں آپس میں بہت اختلاف ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ سب کے سب تو سچے ہو نہیں سکتے اگر سچے ہوں۔ تو اختلاف کیسا؟ اختلاف سے ظاہر ہے۔ کہ بعض غلط عقاید مسلمانوں کے اندر آگئے ہیں۔ یہ غلط عقاید کہاں سے آگئے؟ قرآن شریف اور حدیث نے تو یقیناً صحیح عقاید ہی بیان کئے ہونگے۔ پھر ان کے ہوتے ہوئے غلط عقاید کیسے آگئے؟ جو جواب اس سوال کا ہمارے مخالف دینگے۔ وہی ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ اب حقیقی جواب بھی سنئے:-

حیات مسیح کا عقیدہ اسلام میں کہاں سے آیا۔

جب اسلام کی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اسوقت عیسائی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔ اور یہ فطرتی تقاضا ہے کہ انسان اپنے خیالات کو آہستہ آہستہ چھوڑتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ رام نکلتے ہی نکلیگا۔ اور اللہ کا نام داخل ہوتے ہی ہوگا۔ اسی پر قیاس کر لو کہ یہ لوگ جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ وہ گو اسلام کی صداقت کو مان کر ہی مسلمان بنتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ فطرتی تقاضا ہے کہ خیالات میں یک لخت پورا انقلاب نہیں ہو جاتا۔ اسلئے یہ لوگ بہت سے عیسائی خیالات اپنے ساتھ لاتے تھے۔ جن کا ایک دن میں دل سے نکل جانا ممکن نہ تھا۔ ان لوگوں کے دلوں سے یہ مسیح ناصری کی بے جا محبت شرک کے مقام سے تو بے شک نیچے گر گئی تھی لیکن ابھی کلی طور پر دل سے نہیں نکلی تھی۔ اس لئے قرآن شریف اور احادیث میں جہاں کہیں مسیح کا ذکر آیا۔ وہاں ان لوگوں نے طبعاً حاشیے چڑھائے۔ اور مسلمان آہستہ آہستہ ان خیالات سے متاثر ہوتے گئے۔ یہی وجہ ہو۔ کہ ہمارے گذشتہ مفسرین قرآن شریف کی تفسیر کرتے ہوئے خواہ مخواہ اسرائیلی قصے کہانیاں بیان کرنے لگ جاتے ہیں ؁

عدم رجوع موتیٰ

بھلا غور کا مقام ہے۔ کہ قرآن شریف میں یہ مسیح کے متعلق آتا ہے۔ کہ اس نے مُردے زندہ کئے۔ اس کے صاف یہ معنے تھے۔ کہ جو روحانی طور پر مُردہ تھے۔ ان کے اندر اس نے زندگی کی رُوح پھونکی۔ جسطرح تمام نبیوں کا کام ہے۔ خود محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن شریف میں لکھا ہے:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم (پ۹ ع۱۷)

یعنے اے مومنو! تم اللہ اور اسکے رسول کی بات مان لیا کرو جب وہ تم کو بلائے۔ کیونکہ وہ تم کو زندہ کرتا ہے۔ دیکھئے۔ نبی کریم کے متعلق کیسا صاف زندہ کرنے کا لفظ آیا۔ مگر یہاں تو روحانی زندگی مراد لیجاتی ہے۔ لیکن جب مسیح کے متعلق یہی لفظ آتا ہے۔ تو وہاں حقیقی مُردوں کو زندہ کرنا سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف کی صریح تعلیم کی رُو سے حقیقی مردہ کا اسی دنیا میں زندہ ہو جانا ممتنع ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون (پارہ ۱۸ رکوع ۶)

یعنے جو مرجاتے ہیں۔ ان کے اور اس دنیا کے درمیان قیامت تک کے لئے ایک روک ہو جاتی ہے۔ اسیطرح اگر کہیں مسیح کے متعلق خلق کا لفظ آگیا۔ تو اس کو حقیقی معنوں پر محمول کر لیا گیا۔ حالانکہ ایسے الفاظ استعارہ کے طور پر ہوتے ہیں۔ یہی حال اس مسئلہ میں ہُوا۔ عیسائی مذہب میں پہلے ہی سے عیسیٰ کی آمد ثانی کی خبر موجود تھی۔ جسے عیسائی لوگ خود مسیح کا آنا سمجھتے تھے۔ جب لوگ اسلام میں آئے۔ تو انہوں نے اسلام کے اندر بھی مسیح کی آمد کی خبر پائی۔ جس سے انہوں نے فوراً خیال کر لیا۔ کہ ہو نہ ہو۔ یہ وہی خبر ہے۔ جو عیسائیت میں ہے۔ خیر سے آگے لفظ نزول بھی مل گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ اس خیال پر پختہ طور پر جم گئے۔ کہ خود اسرائیلی مسیح ہی آخری دنوں میں نازل ہونگے۔ بعد میں جو مقلد لوگ آئے۔ ان کو اتنی جرأت کہاں کہ آباؤ اجداد کے خلاف کوئی کلمہ منہ پر لائیں۔ قرآن کھولکر دیکھئے۔ شروع سے ہی عوام کی یہ آواز رہی ہے کہ بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا۔ (پارہ ۲ رکوع ۵) مگر حل طلب امر یہ ہے کہ او لو کان اٰباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون (پارہ ۲ رکوع ۵)

یہاں تک میں نے بفضل خدا یہ ثابت کیا ہے۔ کہ قرآن شریف اور حدیث کی رُو سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے۔ کہ حضرت مسیح آسمان پر زندہ نہیں اٹھائے گئے۔ بلکہ فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہ حیات مسیح کا مسئلہ بعد میں مسلمانوں کے اندر آیا ہے۔ ورنہ صحابہ کرام نے تو فیصلہ فرما دیا تھا کہ نبی کریم سے پہلے جتنے نبی گذرے ہیں۔ وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ قرآن شریف اور حدیث سے یہ ثابت ہے۔ کہ جس مسیح کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ اسی اُمت میں سے ہو گا۔ قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے:۔

موعود مسیح اسی اُمت میں سے ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۳) یعنے اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے۔ کہ اللہ ضرور ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جسطرح اس نے خلیفہ بنایا۔ ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گذر چکے۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے وعدہ کرتا ہے۔ کہ وہ ان کو نبی کریم کے خلفا بنائے گا۔ جسطرح اس نے بنی اسرائیل میں سے موسیٰ

کے خلفاء بنائے۔ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بہت خلفاء بھیجے۔ جو توریت کی خدمت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ خلفاء کا مسیح ناصری کے وجود میں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچا مسلمانوں کو بھی اسی قسم کے خلفاء کا وعدہ دیا گیا۔ اور ٹھیک جسطرح موسوی سلسلہ کا آخری خلیفہ اسرائیلی مسیح ہوا۔ اسی طرح یہ الٰہی فیصلہ تھا۔ کہ آخری ایام میں مسلمانوں کے درمیان ایک مسیح بھیجا جاویگا۔ جو اسلامی سلسلہ خلفاء کے دائرہ کو پورا کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا ہوگا۔ اس طرح دو نو سلسلوں میں اللہ تعالےٰ نے مشابہت کو بیان کیاہے۔ جیسا کہ لفظ کما سے ظاہر ہے اب مشابہت مغائرت کو چاہتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محمدی سلسلہ کا مسیح یعنی آخری خلیفہ موسوی سلسلہ کے مسیح کے وجود سے الگ وجود رکھتاہے۔ علاوہ اسکے اللہ تعالیٰ نے آیۃ میں منکم کا لفظ رکھکر سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور صاف بتا دیاہے۔ کہ مسلمانوں کے اندر جو خلفاء ہونگے۔ وہ مسلمانوں میں سے ہی ہونگے۔ تو اب پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ اپنی ضد پوری کرنے کے لئے محمدی سلسلہ کا آخری اور سب سے عظیم الشان خلیفہ بنی اسرائیل سے تصور کیا جاوے۔ اور اسطرح خدا کے وعدے کو جو اس نے منکم کے لفظ میں کیاہے۔ ردّی کی طرح پھینک دیا جاوے۔ پھر یہی نہیں۔ بلکہ حدیث بھی صاف طور پر بتا رہی ہے۔ کہ مسیح موعود اُمت محمدیہ میں سے ہوگا۔

.. نبی کریم فرماتے ہیں :۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم (بخاری) یعنی کیا ہی اچھا حال ہوگا تمہارا اے مسلمانو! جب تم میں نازل ہونگے۔ ابن مریم اور وہ امام ہونگے تمہارے تمہیں میں سے " یہ حدیث بغیر تاویل طلب الفاظ میں بتا رہی ہے۔ کہ مسیح موعود مسلمانوں میں سے ہی ایک فرد ہوگا۔ جیسا کہ منکم کے لفظ سے ظاہر ہے۔ بیشک آنیوالے کو ابن مریم کے یاد سے کیا گیاہے۔ مگر منکم کا لفظ پکار پکار کر کہہ رہاہے۔ کہ یہ ابن مریم وہ نہیں جو پہلے ہو گذرا۔ بلکہ اے مسلمانو! یہ تم میں سے ہی ایک شخص ہوگا۔ ہم میں آگے چلکر بتادیں گا کہ مسیح ابن مریم کے الفاظ استعمال کرنے میں کونسا بھید تھا۔ مگر فی الحال ناظرین اتنا دیکھیں۔ کہ کیا منکم کے لفظ نے مسیح ناصری کی آمد ثانی کے عقیدہ کو جڑ سے کاٹ کر نہیں رکھ دیا۔ ہائے افسوس حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں۔ کہ موعود مسیح اسی اُمت میں سے ہوگا

مگر مسلمان مسیح ناصری کی محبت میں اس شرک کے مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنی اصلاح کے لئے بنی اسرائیل کے قدموں پر گر رہے ہیں۔ خدا اس قوم پر رحم کرے یہ کہاں آ کر گری ؛

غرض مسیح موعود کے متعلق اماکم منکم کے الفاظ فرما کر نبی کریم نے سارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مگر آپ کی شفقت کو دیکھئے۔ کہ باوجود صاف لفظوں میں فرما دینے کے کہ مسیح موعود میری اُمت میں سے ایک فرد ہو گا۔ آپ اس مسئلہ پر خاموش نہیں ہوئے۔ بلکہ مزید تشریح فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں :۔ رایت عیسیٰ و موسیٰ وابراھیم فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض الصدر واما موسیٰ فادم سبط الشعر کانہ من رجال الزط واما ابراھیم فانظروا الی صاحبکم ۔ (بخاری) یعنے میں نے دیکھا کشف میں) عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو۔ عیسیٰ جو تھے تو سُرخ رنگ کے تھے۔ اور ان کے بال گھنگرالے تھے۔ اور ان کا سینہ چوڑا تھا۔ موسیٰ گندم گوں رنگ کے تھے۔ اور بھاری جسم والے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی قبیلہ زط سے ہو۔ اور ابراہیم کو دیکھنا ہو۔ تو مجھے دیکھ لو۔" اس حدیث میں نبی کریم نے عیسیٰ بن مریم کا یہ حلیہ بیان کیا ہے کہ وہ سُرخ رنگ کے تھے اور بال ان کے گھنگرالے تھے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں عیسیٰ سے گذشتہ عیسیٰ مراد ہیں۔ خود اسی حدیث میں موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کو گذشتہ انبیاء موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ناظرین حضرت مسیح ناصری کے حلیہ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔ پھر ایک اور حدیث میں حضرت نبی کریم فرماتے ہیں :۔

بینما انا نائم اطوف بالکعبۃ فاذا رجل ادم سبط الشعر فقلت من ھذا قالوا ھذا المسیح ابن مریم الخ (بخاری) اس حدیث میں نبی کریم آنے والے مسیح کا یہ حلیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ گندم گوں رنگ کا ہے۔ اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ اس حدیث میں مسیح ابن مریم سے آخری ایام میں ظاہر ہونے والا مسیح مراد ہے۔ یہ ہے کہ اسی حدیث میں دجال کا ذکر ہے۔ یعنی نبی کریم فرماتے ہیں کہ میں نے اسی موقعہ پر دجال کو بھی دیکھا۔ لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ یہ مسیح وہ ہے۔ جو دجال کے مقابل میں ظاہر ہو گا۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ حضرت مسیح ناصری جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کا حلیہ یہ ہے۔ کہ وہ سُرخ رنگ کے تھے۔ اور ان کے

بال گھنگرالے تھے لیکن آنے والا مسیح جو دجال کے مقابل ظاہر ہوگا۔ اس کا رنگ گندم گوں ہوگا۔ اور بال سیدھے اور لمبے ہونگے۔ دونوں حلیوں میں فرق ظاہر ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ کہاں سُرخ رنگ اور کہاں گندم گوں۔ پھر گھنگرالے بال اور کہاں سیدھے۔ اس سے زیادہ وضاحت کیا ہوگی۔ دونوں مسیحوں کی تصویر ناظرین کے سامنے رکھ دی گئی ہیں۔ اور تصویر بھی خاتم النبیین کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی۔ ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔ کہ کیا دونو تصویروں میں ایک آدمی کی شکل نظر آتی ہے۔ جس کو خدا نے آنکھیں دی ہوں۔ وہ دونوں کو ایک نہیں کہتا۔ سُنیئے۔ حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں :۔

موعودم و بحلیۂ ماثور آمدم — حیف است گر بدیدہ نہ بینید منظرم
رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است — زانساں کہ آمدا ست در اخبار سرورم
ایں مقدمم نہ جائے شکوک است والتباس — سید جدا کند ز مسیحائے احمرم

نزول کی حقیقت

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات روز روشن کیطرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ آنے والا مسیح گذشتہ مسیح ناصری سے بالکل الگ شخصیت رکھتا ہے قرآن گواہی دے رہا ہے۔ کہ تمام خلفاء مسلمانوں میں سے ہونگے۔ حدیث بیان کر رہی ہے۔ کہ مسیح موعود اسی اُمت میں سے ایک فرد ہے۔ اور پھر نبی کریم ہر دو مسیحوں کے الگ الگ فوٹو ہمارے سامنے رکھ کر کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتے۔ مگر یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ جب مسیح موعود نے اسی اُمت میں سے ہونا تھا۔ تو پھر اسکے متعلق نزول اور ابن مریم کے الفاظ کیوں استعمال کیئے گئے۔ نزول کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا۔ اور ابن مریم کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری خود بنفس نفیس تشریف لائینگے۔ سو اس کے لئے اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اول تو کسی مرفوع متصل صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ سماء کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ تا آسمان سے اترنے کے معنی لئے جائیں۔ علاوہ اسکے نزول کے معنوں پر کبھی غور نہیں کیا گیا۔ نزول کے معنے ظاہر ہونے اور آنے کے بھی ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں دیکھئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔ قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم آیات اللہ۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۸) یعنی اللہ نے تمہاری طرف نصیحت یاد کرانے والا رسول اتارا ہے۔

جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔ اس آیت میں نبی کریم کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں۔ کہ آپ آسمان سے نہیں اُترے۔ بلکہ عربوں میں سے ہی مبعوث کیے گئے۔ پھر قرآن شریف فرماتا ہے:۔ وانزلنا الحدید فیه بأس شدید و منافع للناس۔ (پارہ ۲۷ رکوع ۲۰) یعنے ہم نے لوہا اُتارا ہے۔ جسمیں لڑائی کا بہت سامان ہے۔ اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ دیکھئے۔ لوہا بھی آسمان سے اُتر رہا ہے۔ حالانکہ ہم اسے زمین سے ہی کھود کر نکالا جاتا دیکھتے ہیں۔ ان آیات سے ظاہر ہے۔ کہ لفظ نزول کے معنے ہمیشہ لفظی طور پر اترنے کے ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اکثر دفعہ نزول کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو خدا کی طرف سے بنی نوع انسان کو بطور ایک رحمت کے دیجاتی ہے۔ پس لفظ نزول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا۔ ایک سخت غلط راہ ہے۔ پھر کیا ناظرین نے نہیں سُنا کہ مسافر کو نزیل کہتے ہیں۔ اور جس جگہ قیام کیا جاوے۔ اُسے منزل۔ علاوہ اسکے بعض احادیث میں مسیح کے متعلق بعث اور خروج کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ پس اس صورت میں جو مفہوم بعث اور خروج اور نزول کے درمیان مشترک ہے۔ وہ ہی مقصود ہوگا :

ابن مریم کے نام میں حکمت

اب رہا ابن مریم کا نام۔ سو اس کے متعلق اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ آئندہ مبعوث ہونے والے مامورین کے نام جو کسی نبی کے ذریعہ بتلائے جاتے ہیں وہ عام طور پر کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے ان کو ہمیشہ ظاہر پر حمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ بلکہ عام طور پر ان کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ آنیوالے اور اس نام کے درمیان کسی گہرے اور باریک تعلق کو ظاہر کریں۔ مثلاً بنی اسرائیل کو یہ وعدہ دیا گیا تھا۔ کہ مسیح کے ظہور سے پہلے حضرت الیاس کا ظہور ہوگا۔ جن کی نسبت عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ یہود نے الیاس کے نزول سے یہ سمجھا کہ وہ الیاس جو گذر چکا۔ وہی بذات خود نازل ہوگا۔ اور اس کے بعد مسیح آئیگا اس لئے جب حضرت عیسیٰؑ نے مسیح ہونے کا دعوےٰ کیا۔ تو یہود نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ مسیح سے پہلے الیاس نازل ہوگا۔ لیکن چونکہ ابھی تک الیاس نہیں آیا۔ اسلئے مسیح کا دعویٰ درست نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیا۔ کہ الیاس کے

کے آنے کی جو خبر دی گئی تھی۔ اس سے خود الیاس کا آنا مراد نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک ایسے نبی کی خبر تھی۔ جو الیاس
کی خو بو پر آنا تھا۔ اور وہ آچکا۔ اور وہی یحیی ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ لیکن ظاہر پرست یہود
اسی بات پر جمے رہے۔ کہ خود الیاس کو نازل ہونا چاہیے۔ اور اس طرح وہ نجات سے محروم ہو گئے
اس مثال سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں جو آئندہ مصلحوں کے نام
بتائے جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ظاہر میں پائے جانے ضروری نہیں ہوتے۔ دیکھئے کجا الیاس
نبی کا آسمان سے نازل ہونا۔ اور کجا یحیی نبی کا پیدا ہونا۔ مگر مسیح یحیی کو ہی الیاس قرار دے
رہا ہے۔ کیونکہ وہ الیاس کی خو بو پر آیا۔ یہ مثال اس بات کو بھی واضح کر رہی ہے۔ کہ خدا کے
کلام میں جب کسی گذشتہ نبی کے آسمان سے نازل ہونے کی پیشگوئی ہو۔ تو اس سے یہ مراد
نہیں ہوتا۔ کہ وہی گذشتہ نبی آسمان کے پردوں کو پھاڑتا ہوا زمین پر اترے گا۔ بلکہ اس
کے کسی مثیل کا آنا مراد ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ مسیح کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ
نازل ہوگا۔ تو اس سے خود مسیح کا آسمان سے نازل ہونا مراد نہیں۔ بلکہ یہ کسی مثیل مسیح کے
پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ الیاس کے آسمان سے نازل ہونے کے معنے
واقعات اور مسیح کے اقوال سے آخر کار مثیل الیاس (یعنی یحییٰ) کے پیدا ہونے کے کئے گئے۔

غرض عیسیٰ ابن مریم کے ظاہری نام پر اڑنا اور صرف اس وجہ سے آنے والے کا انکار کر دینا
سخت ہلاکت کی راہ ہے۔ جس سے پرہیز لازم ہے۔ کیونکہ نام ہمیشہ ظاہر میں پائے جانے ضروری
نہیں ہوتے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک اور مثال ہے۔ جو معاملہ زیر بحث کو اور بھی واضح کر دیتی ہے
قرآن شریف سورہ صف میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ نے ایک رسول کی خبر دی تھی۔ جو ان کے
بعد آئیگا۔ اور اس کا نام احمد ہوگا۔ اب ہمارے مخالف مسلمان سب مانتے ہیں کہ یہ پیشگوئی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پوری ہو چکی ہے۔ لیکن ہر ایک جانتا ہے کہ نبی کریم کا نام محمد تھا
نہ کہ احمد۔ یہ درست ہے۔ کہ نبی کریم نے نبوت کے دعوے کے بعد یہ فرمایا۔ کہ میں احمد بھی ہوں
لیکن دعوے کے بعد اس نام کو اپنی طرف منسوب کرنا مخالف پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔ مخالف پر
تو حجت تب ہو۔ جب یہ ثابت کیا جاوے۔ کہ واقعی آپ کے بزرگوں کی طرف سے یہ نام آپ کا
رکھا گیا تھا۔ یا یہ کہ دعوے سے پہلے آپ اس نام سے پکارے جاتے تھے۔ لیکن احادیث سے ایسے

ہرگز ثابت نہیں۔ اسلیئے سوائے اس کے اور کیا اس کا جواب ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے اندر صفت احمدیت پائی جاتی تھی۔ اور یہ کہ آسمان پر آپ کا نام احمد تھا۔ جیسا کہ آسمان پر یحییٰ کا نام الیاس تھا۔ ان دو مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں جو نام بتائے جاتے ہیں وہ لازماً ظاہر میں پائے جانے ضروری نہیں۔ بلکہ وہ کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسمیں بھید یہ ہے۔ کہ خدا کو حقیقت اشیاء سے تعلق ہے۔ انکے ظاہری ناموں سے تعلق نہیں۔ ہم بے شک عرف کی خاطر ظاہری ناموں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں اصل نام صفتی نام ہی ہوتا ہے نہ کہ ظاہری نام۔ مثلاً ایک۔ غلام رسول نامی مسلمان اگر عیسائی ہو جائے۔ تو گو ہم اسے عرف کی خاطر اسی نام سے پکارینگے۔ مگر خداوند غیور کی نظروں میں وہ اب عدو الرسول ہو چکا ہے اس لئے خدا اسے عدو الرسول ہی کے نام سے یاد کریگا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اب وہ کونسی حکمت ہے۔ جسکی وجہ سے خدا نے آنیوالے کو ابن مریم کے نام سے یاد کیا۔ اِسکے جواب میں کئی باتیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ مگر اس مختصر سے رسالہ میں سب کا لکھنا موجب طوالت ہو گا۔ اس لئے چند موٹی موٹی حکمتوں کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اول یہ کہ آنیوالا مسیح حضرت عیسیٰ کی خو بو پر آنا تھا۔ جس طرح الیاس کی خو بو پر یحییٰ آیا۔ پس جس طرح یحییٰ کے آنے سے الیاس کی آمد کا وعدہ پورا ہوا۔ اسی طرح کسی مثیل مسیح کی آمد سے مسیح کی آمد کا وعدہ پورا ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ مسیح ناصری موسوی سلسلہ کا خاتم الخلفاء تھا۔ اسی طرح محمدی مسیح نے محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء ہونا تھا۔ تیسری اور بڑی حکمت یہ ہے۔ کہ قرآن شریف اور احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ آخری ایام میں عیسائیت بہت زور پکڑیگی۔ اور صلیبی مذہب بڑے غلبہ کی حالت میں ہو گا۔ اسی لئے مسیح موعود کا بڑا کام یہ رکھا گیا کہ یکسر الصلیب یعنے مسیح موعود صلیبی مذہب کا زور توڑ دیگا۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ جب کسی نبی کی اُمت میں فساد برپا ہوتا ہے تو پھر اخلاقی طور پر اس نبی کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اس فساد کو دُور کرے۔ جیسا اگر کسی حکومت میں فساد پیدا ہو جاوے۔ تو باہر کی حکومتوں کا فرض نہیں ہوتا۔ کہ وہ اس فساد کو دُور کریں بلکہ خود اس حکومت کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اُسے دُور کرے۔ اب آخری زمانہ کے لئے یہ مقدر تھا کہ وہ فساد عظیم کا زمانہ ہو گا۔ اور تمام اُمتوں میں فساد برپا ہو جائیگا۔ ایسے وقت

کے لئے ضرورت تھی۔ کہ تمام اُمتوں کے بانیوں کے بروز ظاہر ہوتے۔ جن کا آنا خود ان بانیوں کا آنا ہوتا۔ اور جو اپنی اپنی اُمتوں کی اصلاح کرتے۔ لیکن چونکہ بہت سے مصلحوں کا ایک وقت میں دنیا میں پیدا ہو جانا بجائے فساد کو دور کرنے کے فساد کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیتا۔ پھر علاوہ اسکے چونکہ اب اسلام کی آمد نے تمام رُوحانی پانی اندر کھینچ لیا ہے اور اب کوئی رُوحانی مصلح اسلام کے سوا کسی اُمت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ مقدر ہوا کہ تمام نبیوں کا بروز ایک وجود میں اسلام کے اندر مبعوث کیا جاوے۔ اس آنے والے کا کام یہ رکھا گیا کہ وہ تمام اُمتوں کی اصلاح کرے۔ گویا اس موعود مصلح کا کام دو بڑے حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک اُمت محمدیہ کی رُوحانی اصلاح۔ اور دوسری باقی تمام اُمتوں کی اصلاح۔ لیکن چونکہ باقی اُمتوں کی اصلاح کے کام میں سب سے بڑا اور اہم کام حضرت مسیح ناصری کی اُمت کی اصلاح اور اُنکے عقاید باطلہ کا رد تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یکسر الصلیب سے ظاہر ہے۔ جو آپ نے مصلح موعود کے متعلق فرمائے اِس لئے اس پہلو کے لحاظ سے آنیوالے کو خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ ابن مریم کا خطاب دیا گیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند ٭ مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

اور دیگر اُمتوں کی اصلاح کے لحاظ سے صرف واذا الرسل اُقتت کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ یعنی آخری زمانہ میں تمام رسولوں کے بروز (ایک وجود میں) جمع کئے جائینگے اس کے مقابل میں اُمت محمدیہ کا کام بھی ایک بڑی خصوصیت اور اہمیت کا کام تھا۔ اِس لئے اِس پہلو کے لحاظ سے آنے والے کا نام محمد مہدی رکھا گیا۔ مطابق قول نبوی۔ الخلفاء الراشدین المہدیین کے۔ کیونکہ اُمت محمدیہ کی اصلاح کے کام میں اس موعود نے آنحضرت صلعم کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تھا ٭

مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں

اب موقعہ آیا۔ دوسرے شبہ کے ازالہ کا۔ جو ابتداء رسالہ میں بیان کیا تھا یعنی عام طور پر مانا گیا ہے۔ کہ مہدی اور مسیح موعود دو الگ الگ وجود رکھتے ہیں۔ مسیح آسمان سے نازل ہونگے۔ اور مہدی

مسلمانوں ہی کے اندر سے مبعوث ہوگا۔ یہ دونو ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے
پہلے مناسب ہے۔ کہ مہدی کے متعلق ایک مختصر سا تمہیدی نوٹ دیدیا جاوے۔ تا ناظرین کو معلوم ہو
جاوے کہ مہدی کے متعلق کیا کیا خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ سو واضح ہو کہ مہدی کے متعلق روایات
میں اسقدر اختلاف اور تضاد ہے کہ پڑھنے والے کی عقل چکر میں آجاتی ہے۔ اور پھر اختلاف
بھی صرف ایک بات میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک بات میں اختلاف ہے۔ مثلاً دیکھئے۔ مہدی کی نسل
میں اسقدر اختلاف ہے کہ خدا کی پناہ۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ کی اولاد سے
ہوگا۔ مگر اس گروہ کی بھی آگے تین شاخیں ہوجاتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ امام حسن کی اولاد سے
پیدا ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امام حسین کی اولاد سے ہوگا۔ اور تیسری شاخ کا دعویٰ ہے۔ کہ
مہدی امام حسن اور حسین دونو کی اولاد سے ہوگا۔ یعنی اگر ماں حسنی ہوگی تو باپ حسینی۔ یا اگر باپ
حسنی ہوگا تو ماں حسینی۔ پھر ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے۔ کہ مہدی حضرت فاطمہ کی اولاد سے
نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرت عباس کی اولاد سے ہوگا۔ بنی اُمیّہ کہتے ہیں کہ مہدی بنی اُمیّہ میں سے
ہی ہوگا۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ بلکہ مہدی حضرت عمر کی اولاد میں سے ہے۔ پھر بعض احادیث
ہمیں بتاتی ہیں۔ کہ مہدی کے لئے کسی خاص قوم کی شرط نہیں۔ بلکہ اسکے لئے صرف یہ شرط ہے
کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہوگا۔ اسکے علاوہ مہدی اور اسکے باپ کے نام کے
متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض احادیث اس کا نام محمد بتاتی ہیں۔ اور بعض احمد اور بعض عیسیٰ۔ باپ کا نام
سنیوں کے نزدیک عبداللہ ہوگا۔ مگر شیعہ کہتے ہیں۔ کہ حسن ہوگا۔ اسی طرح مہدی کے ظاہر ہونے
کی جگہ کے متعلق بہت گڑبڑ ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ۔ اسی طرح اس بات میں اختلاف
ہے۔ کہ مہدی کتنے سال دنیا میں کام کریگا۔ غرض مہدی کے متعلق ہر ایک بات میں اختلاف ہے
اور پھر لطف یہ کہ مختلف گروہ اپنے دعووں کی تائید میں احادیث ہی پیش کرتے ہیں۔ بس ایسی حالت میں
مہدی کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان تمام کو صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ
امام بخاری و امام مسلم نے اپنی صحیحین میں مہدی کے متعلق کوئی باب ہی نہیں باندھا۔ کیونکہ انہوں نے
ان احادیث میں سے کسی کو بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا۔ پھر بعض علماء اسلام نے بھی مہدی کے متعلق
جسقدر احادیث ہیں۔ ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ اکثر کو وضعی بتایا ہے۔ اور صاف لکھا ہے

کہ مہدی کے متعلق جتنی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی جرح اور قدح سے خالی نہیں۔ اب فطرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ سو جہاں تک ہمنے سوچا ہے۔ اس کی کچھ تو وجہ یہ ہے کہ دراصل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مہدیوں کی خبر دی تھی جنھوں نے مختلف وقتوں میں مختلف حالات کے ماتحت ظاہر ہونا تھا۔ مثلاً فاتح قسطنطنیہ کو بھی مہدی ہی کہا گیا ہے۔ لیکن ہاں ان سب میں سے خاص طور پر موعود ایک ہے۔ جسکے ظہور کے ہمارے غیر احمدی بھائی مسیح کے وقت میں قائل ہیں۔ اسلیئے ان روایات میں اختلاف کا ہونا ضروری تھا۔ صرف غلطی یہ ہوئی۔ کہ عوام الناس ان روایات کو ایک ہی شخص کے متعلق سمجھنے لگ گئے علاوہ ازیں یہ بھی بالکل سچ ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ اسپر گواہ ہے۔ کہ ہر ایک قوم اور فرقہ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ تمام خیر اپنی طرف منسوب کرے۔ جب نبی کریم ؐ نے یہ پیشگوئی فرمائی۔ کہ میری اُمت میں سے ایک مہدی پیدا ہو گا۔ تو سب فرقوں کو یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ موعود مہدی ہم میں سے ہی پیدا ہو۔ سب لوگ متقی اور خدا ترس نہیں ہوا کرتے۔ بعض نے جھٹ ایسی حدیثیں گھڑ لیں۔ جن سے یہ ثابت ہو۔ کہ مہدی انہی کی خاص قوم سے ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ مہدی کے متعلق احادیث میں اسقدر گڑبڑ واقع ہوئی ہے۔ لیکن ہاں بے شک وہ احادیث جو مہدی کو کسی خاص قوم سے نہیں بتاتیں۔ بلکہ صرف یہ بتاتی ہیں کہ وہ اُمت محمدیہ میں سے ایک فرد ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان کو قبول کیا جاوے۔ کیونکہ ان کو وضعی قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ غور کا مقام ہے کہ مہدی کے متعلق کسی کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ حدیث بناتا۔ کہ مہدی اُمت محمدیہ سے ایک فرد ہو گا۔ ہاں بیشک جو احادیث مہدی کو کسی خاص قوم سے بتاتی ہیں۔ ان کے متعلق یہ شبہ قائم ہے۔ کہ وہ بعد میں وضع کر لی گئی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک قوم کو شوق ہوتا ہے۔ کہ وہ آنے والے مصلح کو اپنے میں سے قرار دے پس ہمارا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ ہم مہدی کو کسی خاص قوم سے نہ قرار دیں۔ بلکہ مجملاً صرف اس بات پر ایمان رکھیں کہ نبی کریم ؐ نے ایک ایسے مہدی کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ جو آپ کی اُمت میں سے آخری زمانہ میں ہو گا۔ اسی میں ہماری خیر ہے۔ اور یہی احتیاط کا رستہ ہے۔ کیونکہ اگر ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ مہدی حضرت فاطمہ کی اولاد سے ظاہر ہو گا۔ اور آخر کار وہ بنی عباس سے ظاہر ہو جاوے۔ تو ہمارا یہ اعتقاد ہمارے رستہ میں بڑی روک ہو جائیگا۔ اور ہم اسپر ایمان لانے سے محروم ہو جائینگے

اسیطرح اگر ہم یہ ایمان رکھیں کہ مہدی بنی عباس سے ہو گا لیکن وہ حضرت فاطمہ کی اولاد سے پیدا ہو جاوے یا حضرت عمرؓ کی نسل سے ظاہر ہو جاوے تو ہم اسپر ایمان لانے سے محروم ہو جائینگے پس اور نہیں تو اپنا ایمان بچانے کے لئے ہی ہم کو چاہیئے کہ مہدی کو کسی خاص قوم سے نہ ٹھہرائیں بلکہ صرف یہ ایمان رکھیں کہ مہدی اُمت محمدیہ سے ظاہر ہو گا۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام اور متبعین میں سے ہو گا۔ اور بس۔ ایسا ایمان رکھتے ہوئے ہم بالکل امن میں ہونگے۔ اور اگر نبی کریم نے واقعی مہدی کو کسی خاص قوم ہی سے قرار دیا ہے۔ پھر بھی کوئی حرج لازم نہیں آئیگا۔ کیونکہ جزو بہرحال کل کے اندر شامل ہے۔

اس تمہیدی نوٹ کے بعد میں بفضل خدا یہ ثابت کرتا ہوں کہ مہدی اور مسیح الگ الگ وجود نہیں رکھتے۔ بلکہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ جو دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے اسے دیئے گئے۔ پہلی بات جو ہم کو یہ بتاتی ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں۔ وہ لفظ مہدی کا مفہوم ہے۔ اور نیز یہ کہ نبی کریم نے مہدی کے لفظ کو اسم معرفہ کے طور پر نہیں استعمال کیا۔ بلکہ ایک صفتی نام کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ مہدی کے معنے ہیں ہدایت یافتہ۔ بعض احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ نبی کریمؐ نے اس لفظ کو بعض ان لوگوں کے متعلق بھی استعمال فرمایا ہے۔ جو مہدی موعود نہیں۔ مثلاً اپنے خلفاء کی نسبت آپ نے فرمایا:۔ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ (ابو داؤد و ترمذی)۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نبی کریمؐ کے تمام خلفاء مہدی ہیں۔ لہٰذا جو مسیح موعود ہے۔ وہ چونکہ مسلمہ طور پر خلفاء نبی کریمؐ میں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے وہ سب سے بڑا مہدی ہوا۔ اور وہی جو سب سے بڑا مہدی ہے۔ مہدی موعود ہے۔ کیونکہ جب بموجب قول نبوی کے سب خلفاء آپ کے مہدی ہیں تو مہدی موعود وہی ہو گا۔ جو ان میں سے خاص طور پر موعود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ گو اور لوگ بھی مہدی ہوں۔ مگر جو مہدی موعود ہے۔ وہ مسیح ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر حدیث میں لکھا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:۔

کیف تھلک اُمّۃ انا اولھا و عیسی بن مریم اٰخرھا۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۲۰۳) کسطرح ہلاک ہو گی وہ اُمت جسکے شروع میں میں ہوں۔ اور آخر میں عیسی بن مریم ہے۔ پھر فرمایا:۔

خیر ھذہ الامۃ اولھا و اٰخرھا۔ اولھا فیھم رسول اللہ و اٰخرھا فیھم عیسی ابن مریم

وبین ذالک فیج اعوج لیسوا منی ولست منہم۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲) یعنی اس اُمت میں سے اچھے لوگ اسکے اوّل والے ہیں، اور آخر والے۔ اوّل والوں میں خود رسُول اللہ ہے۔ اور آخرین میں عیسیٰ بن مریم۔ اور ان دونوں کے درمیان کج رو لوگ ہیں۔ جو مجھ سے نہیں۔ اور نہ میں ان سے ہوں اب اگر مہدی جسکی آمد کا آخری ایام میں وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ مسیح سے الگ شخصیت رکھتا ہے۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ نبی کریمؐ مسیح اور مہدی دونوں کے متعلق ذکر فرماتے۔ کہ وہ ہر دو آخری ایام میں میری اُمت پر نگران ہوں گے۔ مگر ایسا نہیں کہا گیا۔ بلکہ صرف مسیح کا نام لیا گیا۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ مسیح اور مہدی ایک نہیں۔ اسی لئے مسیح کا لفظ بول دینے پر اکتفا کیا گیا۔ غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ مہدی نے امام ہونا تھا۔ اور مسیح نے مقتدی تو کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ اُمت کی حفاظت کا ذکر فرماتے ہوئے نبی کریمؐ نے مقتدی کا ذکر تو کر دیا۔ مگر امام کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ پھر دیکھئے۔ حدیث نمبر دو میں نبی کریمؐ دو ہی لوگوں کو اخیار بتاتے ہیں* ایک وہ جنھوں نے خود آپؐ سے تعلیم حاصل کی۔ اور دوسرے مسیح موعود کے متبعین۔ لیکن مہدی کے متبعین کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے۔ بلکہ صاف بتاتے ہیں کہ ان ہر دو قوموں کے درمیان فیج اعوج ہے۔ یعنی کجرو لوگ ہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ مہدی مسیح سے الگ کوئی شخصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہی ہے۔ صرف دو حیثیتوں سے دو نام رکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ احادیث میں جو کام مسیح کا بتایا گیا ہے۔ قریباً وہی مہدی کا بتایا گیا ہے۔ یہ بھی اس بات پر شاہد ہے۔ کہ مسیح اور مہدی

---

* حاشیہ۔ انہیں دو گروہوں کی طرف قرآن شریف سورۃ جمعہ میں اشارہ کرتا ہے۔ جہاں خدا فرماتا ہے

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم ایٰتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منہم لما یلحقوا بہم۔

یعنی خدا ہی نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسُول انہی میں سے جو خدا کی آیات ان پر پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے۔ اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی کھلی ضلالت میں تھے۔ اور ایک اور بعد میں آنیوالی قوم بھی ہے جسکی یہ رسُول (اسیطرح ایک بروز کے ذریعہ) رُوحانی تربیت کریگا۔

ایک ہیں۔ علاوہ ازیں مسیح اور مہدی کے حلیئے بھی احادیث میں ایک بتائے گئے ہیں۔ پس وہ دو کسطرح ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ تو خیر سب نے سنا ہو گا کہ نبی کریم نے فرمایا کہ اگر ایک خلیفہ برحق موجود ہو۔ تو دوسرا کوئی دعوے کرے۔ تو اس کو قتل کردو۔ اب باوجود اس تعلیم کے دو خلیفوں کا ایک وقت میں کسطرح وجود مان لیا جاوے۔ اسلامی تعلیم کی رُو سے ایک وقت میں ایک ہی امام ہوتا ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ بات یہ کہ مسیح اور مہدی دو الگ الگ خلیفے نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ دو نام ہیں ایک ہی شخص کے۔ جو آخری ایام میں آنحضرت ؐ کا خلیفہ ہو گا۔

یہاں تک تو ہم نے استدلالات سے کام لیا ہے۔ لیکن اب ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ جسمیں نبی کریم ؐ نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ کہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخص ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

لا المهدی الا عیسی۔ (ابن ماجہ و حاکم) یعنے عیسےٰ کے سوا اور کوئی مہدی موعود نہیں۔

دیکھئے کیسے صاف اور روشن الفاظ میں نبی کریم ؐ نے اس جھگڑے کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ کہ مسیح اور مہدی الگ الگ نہیں ہیں۔ بلکہ لا المهدی الا عیسی۔ حضرت عیسٰی کے سوا اور کوئی مہدی موعود نہیں۔ جو شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے۔ وہ تو ان الفاظ کے سامنے سر جھکا دیگا۔ لیکن جسکے دل میں کجی ہے۔ وہ ہزاروں حجتیں نکالیگا۔ مگر ہم کو اس سے کام نہیں۔ ہمارے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں۔ جو روحانی مکتب میں اس بات کو سیکھ چکے ہیں۔ کہ آنحضرت کے سامنے اپنا سر رکھ دینا عین سعادت ہے۔ پھر نبی کریم کی ایک اور حدیث بھی ہے جو صاف الفاظ میں مسیح موعود ہی کو امام مہدی بتاتی ہے۔ نبی کریم فرماتے ہیں۔ یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسی ابن مریم اماما مهدیا و حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر الخ۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۱) یعنی جو تم میں زندہ رہا۔ وہ عیسی بن مریم کو پائیگا۔ جو امام مہدی ہونگے۔ اور حکم عدل ہونگے۔ اور صلیب کو توڑینگے۔ اور خنزیر کو قتل کرینگے۔ دیکھئے اس حدیث شریف میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسے صاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ کہ حضرت عیسی جو آوینگے۔ وہی امام مہدی ہوں گے۔ مگر تعجب ہے جو نبی کریم نے فرمایا ہے اسپر ایمان لانے کی وجہ سے آج ہم کو کافر اور مرتد کہا جاتا ہے۔ اور آنحضرت کے فرمان کو ردی کیطرح پھینک دیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس +

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب آنحضرتؐ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ مہدی معہود مسیح سے الگ وجود نہیں رکھتا۔ تو پھر مسلمان یہ کس طرح ماننے لگ گئے کہ مسیح اور مہدی الگ الگ ہیں سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ مسیح ناصری آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔ اور وہ آخری ایام میں پھر زمین پر نازل ہونگے۔ اسکے مقابل میں مہدی کے متعلق یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ اُمت محمدیہ ہی سے پیدا ہو گا۔ لہذا جب تک مسلمان اس غلط عقیدہ پر قائم ہیں کہ مسیح ناصری ہی آسمان سے نازل ہو گا۔ اسوقت تک یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ مسیح اور مہدی کو ایک جانیں۔ ہاں جب وہ مسیح کے متعلق صحیح عقیدہ پر قائم ہو جائیں اور گذشتہ مسیح ناصری کو وفات شدہ مان لیں۔ تب ان کے لئے مسیح موعود اور مہدی کو ایک مان لینا نہایت آسان امر ہو جائے گا۔ لیکن زمین سے پیدا ہونے والے اور آسمان سے نازل ہونے والے کو وہ ایک نہیں مان سکتے۔ یہ بات کہ ایک شخص کو دو مختلف نام دیئے میں کیا حکمت تھی۔ یہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آنیوالے نے مختلف مقاصد کے ماتحت آنا تھا جن میں سے کسر صلیب اور اصلاح امت محمدیہ دو بڑے مقاصد ہیں۔ پس کاسر صلیب ہونے کے لحاظ سے وہ عیسیٰ مسیح کہلایا اور اُمت محمدیہ کا مصلح ہونے کی حیثیت میں اسنے محمدؐ مہدی کا نام پایا ؎

مہدی تلوار نہیں اُٹھائیگا

اب میں تیسرے شبہ کے ازالہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ مہدی نے تو تمام کافروں کے ساتھ لڑائی کرنی تھی۔ اور تلوار کے ذریعہ اسلام کو تقویت دینی تھی۔ مگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے تو کوئی تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ نہایت امن کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت زندگی بسر کی۔ اور اپنے متبعین کو تاکید فرمائی۔ کہ وہ ہر ایک قسم کی بدامنی کی بات سے کنارہ کش رہیں۔ اور اسلام کی خدمت صرف قلم کے ذریعہ کی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔ ع

سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

اس شبہ کے ازالہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم قرآن شریف کی تعلیم پر نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں
کہ کیا وہ مذہبی معاملات میں تلوار اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ یعنی کیا اسلامی تعلیم کی
رُو سے یہ جائز ہے۔ کہ لوگوں کو بزور مسلمان کیا جاوے۔ اگر اسلام ہم کو اجازت دیتا ہے کہ
ہاں لوگوں کو جبراً اسلام کے اندر داخل کرو۔ تو بیشک اس مسئلہ پر غور کرنا ہمارا فرض ہو گا۔ کہ
آیا مہدی اسلام کے لئے تلوار اُٹھائے گا۔ یا صلح سے کام کریگا۔ لیکن اگر اسلامی تعلیم ہم کو
صاف طور پر یہ بتائے۔ کہ دین کے معاملوں میں جبر درست نہیں۔ اور تلوار کے ذریعہ لوگوں
کو اسلام کے اندر داخل کرنا ناجائز ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی خونی مہدی کے مسئلہ کا بھی صفایا
ہو جائیگا۔ کیونکہ جب جبر جائز ہی نہ ہُوا۔ تو کوئی ایسا مصلح کس طرح آسکتا ہے۔ جو لوگوں کو
جبراً اسلام کے اندر داخل کرے۔ اب جب ہم قرآن شریف پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو وہاں پر
صاف لکھا ہُوا پاتے ہیں کہ:۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ (پ۳ ع۲)

یعنے دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ کیونکہ تحقیق ہدایت ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے اس
آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر کرنا جائز نہیں۔ اور چونکہ
قرآن شریف ہر ایک دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی لاتا ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ
جبر اسلئے جائز نہیں کہ ہدایت اور ضلالت کھلی کھلی چیزیں ہیں۔ ہر ایک شخص جو ٹھنڈے دل سے
غور کرے۔ وہ ہدایت کو دیکھ سکتا ہے۔ دیکھئے قرآن شریف نے کیسی پختہ اور عام فہم دلیل دی ہے،
جو ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جبر کی وہاں ہی ضرورت پیش آئیگی۔ جہاں کوئی تعلیم ناقص
ہے۔ اور اپنی خوبی کے زور سے لوگوں کے دلوں کے اندر گھر نہیں کر سکتی۔ لیکن قرآن شریف
کی تعلیم تو سبحان اللہ ایسی صاف اور روشن ہے۔ کہ ذرا سی فکر سے انسان حق کو پا سکتا ہے اس
لئے اسکے منوانے کے لئے جبر کیسا ہ خوب غور کر لو۔ تلوار کے زور سے لوگوں کو اسلام کے
اندر داخل کرنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہم صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ اسلام جھوٹا
ہے۔ یا کم از کم یہ کہ اسلام اس خوبی کا مذہب نہیں۔ کہ خود بخود لوگوں کو اپنی سچائی کا قائل کر
سکے۔ تبھی تو جبر کی ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ جبر کی حکومت صرف انسان کے

جسم تک محدود ہے۔ اس کے ذریعہ انسان کی رُوح اور خیالات پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ مگر مذہب تو زیادہ تر دل کے خیالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور گو ظاہری حرکات بھی اسکے اندر شامل ہیں۔ مگر ایسی ظاہری حرکات کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ دل کی تحریک سے پیدا ہوں۔ ورنہ اگر وہ کسی بیرونی اثر کے ماتحت ظہور میں آئیں۔ اور دل ان کے ساتھ متفق نہ ہو۔ تو ایسی حرکات مذہب کے اندر شامل نہیں۔ بلکہ ان کو مذہب کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔ مثلاً خدا کے حضور سجدہ کرنا نیک اعمال میں سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بازار میں چلتا ہوا ٹھوکر کھا کر منہ کے بل جا پڑے تو گو ظاہری صورت اس کی ایک سجدہ کرنے والے کی ہوگی۔ لیکن مذہب کی اصطلاح میں وہ خدا کے حضور سجدہ کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے سجدہ کے ساتھ دل کی تحریک اور نیّت شامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سجدہ کی صورت صرف کسی بیرونی اثر کے ماتحت پیدا ہو گئی ہے۔ پس ظاہری حرکات وہی مذہب کے اندر شامل ہیں۔ جو دل کی تحریک اور نیت کے ساتھ ہوں یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات نے فرمایا:۔

الاعمال بالنیات (بخاری) یعنے اعمال وہی ہیں۔ جن کے ساتھ نیت ہو۔ ورنہ اگر نیت نہیں۔ تو عمل بھی کوئی عمل نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کہ جبر کے ذریعہ کسی کو اسلام کے اندر یا کسی اور مذہب کے اندر داخل کیا جاوے۔ کیونکہ مذہب کہتے ہیں اس طرز اور رویہ کو۔ جسکے ساتھ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہو۔ اور یہ دونو باتیں بجا جبر کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جبر کے ذریعہ کسی شخص کو کسی مذہب کے اندر داخل کرلینا محالات عقلی سے ہے۔ اسیواسطے خداوند کریم نے فرمایا:۔ فانما علی رسولنا البلاغ المبین۔ (پارہ ۷، رکوع ۳) یعنی ہمارے رسول کا تو صرف یہ کام ہے۔ کہ لوگوں تک ظاہری بات کھولکر پہونچا دیوے۔ آگے ماننا یا نہ ماننا لوگوں کا کام ہے۔ اس سے رسول کو غرض نہیں۔ رسول کا کام صرف احسن طریقہ پر اپنی رسالت کو پہونچا دینا ہے۔ اور بس۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب قرآن شریف کھلے الفاظ میں تلوار کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کے اندر داخل کرنے سے منع فرماتا ہے۔ اور مذہبی معاملات میں جبر کی اجازت نہیں دیتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں تلوار اٹھائی؟ یہ ایک سوال ہے جو اس موقعہ پر

ضرور دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا حقیقی جواب پانے کے لئے ہم کو چاہیئے۔ کہ قرآن شریف کی اس آیت پر نظر ڈالیں جسنے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرًا۔ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۳)

یعنی اجازت دیجاتی ہے لڑنے کی ان کو جن کے خلاف تلوار اٹھائی گئی ہے۔ کیونکہ انپر ظلم کیا گیا ہے۔ اور تحقیق اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ بغیر حق کے۔ صرف اسوجہ سے کہ انہوں نے کہا۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ روکے۔ تو پھر خدا کے گھر جن میں اس کا نام کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ سب گرا دئے جاویں"۔ یہ وہ آیت کریمہ ہے جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے مقابل پر لڑنے کی اجازت دی۔ دیکھ لیجئے اسمیں کس صراحت کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے لڑائی کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ فتنہ دور ہو کر مذہبی آزادی پیدا ہو۔ اور یہ بھی صاف طور پر بتا دیا ہے کہ مسلمانوں نے پہل نہیں کی۔ بلکہ جب کفار نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی۔ اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ اور ان کو انکے گھروں سے نکال دیا۔ تب دفع شر کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت فرمائی۔ کہ تم بھی ان کے خلاف تلوار اُٹھاؤ۔ تیرہ سال تک مسلمانوں نے صبر سے کام لیا۔ اور نہایت استقلال کے ساتھ ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا۔ آخر کار مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تا کسی طرح کفار مکہ کی شرارتوں سے امن میں آجائیں۔ مگر یہ لوگ پھر بھی مسلمانوں کو تکلیف دینے سے باز نہ آئے۔ بلکہ مدینہ پر جا چڑھائی کی۔ تب ہر طرح مجبور ہو کر مسلمانوں کو بھی تلوار اٹھانی پڑی۔ پس یہ ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ کہ مسلمانوں نے لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے تلوار اٹھائی۔ بلکہ انہوں نے تو مصائب کے برداشت کرنے کا وہ نمونہ دکھایا۔ کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ پس اس سے بڑھکر کیا ظلم ہوگا۔ کہ انکی طرف کوئی جارحانہ کارروائی منسوب کی جاوے:۔

انہوں نے تو شروع اسلام میں جو کچھ کیا دفع شر کے لئے کیا۔ اور اسباب کے لئے کیا

کہ مذہبی آزادی قائم ہو جاوے۔ اور لوگ جس مذہب کو دل سے درست سمجھیں اُسے کھلم کھلا قبول کریں۔ ہاں بے شک بعد میں جب ابتدائی لڑائیوں کے نتیجہ میں ایک اسلامی سلطنت قائم ہو گئی۔ تو بعض اوقات مسلمانوں کو سیاسی اغراض کے ماتحت بھی جنگ کرنی پڑی۔ یا بعض وقت ان کو اس لئے تلوار اٹھانی پڑی۔ کہ تا وہ ایسے ممالک میں تبلیغ اسلام کا راستہ کھولیں۔ جنمیں مذہبی آزادی کے نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ نہ کیجا سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی کوئی شخص جبراً مسلمان نہیں کیا ؛

پس اب کیا یہ تعجب انگیز امر نہیں۔ کہ مہدی کی بعثت کی علت غائی یہ سمجھی جاوے۔ کہ وہ تمام دنیا کو جبراً مسلمان کرتا پھریگا۔ کیا ایسے مہدی کا آنا اسلام کے لئے کوئی باعث فخر ہو سکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ جائے فخر تو یہ ہے۔ کہ دلائل کے ذریعہ تمام مذاہب پر اسلام کا غلبہ ثابت کیا جاوے۔ اسلام کی خوبیوں کو لوگوں کے سامنے رکھا جاوے۔ اور یہ بتایا جاوے کہ اسلام ہی وہ زندہ مذہب ہے۔ جو اپنی صداقت کے اسقدر دلائل رکھتا ہے۔ کہ اگر خدا کا خوف دل میں رکھ کر اسپر غور کیا جاوے۔ تو ممکن ہی نہیں کہ انسان پر اسکی سچائی مخفی رہے۔ الٰہی وعدہ ہے۔ کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (پارہ ۲۱ رکوع ۲۲) ؛

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے ہرگز کوئی ایسا مہدی نہیں آئیگا۔ جو آتے ہی لڑنا شروع کر دیوے۔ اور لوگوں کو جبراً مسلمان کرتا پھرے۔ غور کا مقام ہے۔ کہ کیا مہدی اسلامی تعلیم کا پابند نہ ہو گا۔ کیا اسکے زمانہ میں شریعت اسلام منسوخ ہو جائیگی۔ جب یہ نہیں۔ اور مہدی نے بطور خادم اسلام کے ہی ظاہر ہونا ہے۔ تو پھر باوجود اسلام کی اس واضح تعلیم کے کہ مذہب کے معاملہ میں جبر جائز نہیں وہ کفار کے خلاف کسطرح تلوار اٹھا سکے گا۔ اگر وہ ایسا کرے۔ تو وہ مصلح کیسا؟ وہ تو اسلام کی تعلیم کو بگاڑنے والا ٹھہرے گا۔ اور فساد عظیم کا موجب ہو گا ؛

پھر یہ بھی غور طلب ہے۔ کہ جب یہ ثابت ہو چکا۔ کہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ تو مہدی کس طرح تلوار اُٹھا سکتا ہے۔ کیونکہ مسیح کے متعلق صاف الفاظ میں آتا ہے۔ کہ وہ

جنگ کو موقوف کرنے والا ہوگا۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

واللذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ۔ (صحیح بخاری) یعنی قسم ہے مجھے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ وہ وقت آتا ہے۔ جب نازل ہونگے۔ ابن مریم حکم عدل کے طور پر۔ پس صلیب کو توڑینگے۔ اور خنزیر کو قتل کرینگے۔ اور جنگ کو موقوف کرینگے۔ دیکھئے اس حدیث نے کس وضاحت کے ساتھ ہم کو بتادیا۔ کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا تو درکنار مہدی تو جنگ کو موقوف کرنے والا ہوگا۔ مگر ہمارے مسلمان بھائی بھی حکومت کی خواہش میں ایسے مست ہورہے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف غازی مہدی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ پھر حجج الکرامہ مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم میں ابن حجر کی روایت ہے کہ مہدی سوتے کو نہیں جگائیگا۔ اور نہ ہی کوئی خون گرائے گا ‪.‬

ان تمام دلائل سے ظاہر ہے کہ کوئی غازی مہدی نہیں آئے گا۔ بلکہ اگر کوئی آئے گا تو امن اور صلح سے کام کرنے والا آئے گا۔ لیکن یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب اسلام مذہب میں جبر کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور نبی کریم نے کسی حقیقی طور پر غازی اور خونی مہدی کی خبر نہیں دی۔ تو مسلمانوں کے درمیان یہ عقیدہ کس طرح آگیا۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بدقسمتی سے عوام پیشگوئیوں کے ظاہری الفاظ پر جم جاتے ہیں۔ اور ان کے باطنی اور حقیقی مفہوم کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً ناظرین سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ بنی اسرائیل سے یہ وعدہ تھا کہ جب مسیح ان میں ظاہر ہوگا۔ تو وہ ایک عظیم الشان یہودی سلطنت کی بنیاد ڈالیگا لیکن جب مسیح ناصری نے مسیحیت کا دعویٰ کیا۔ تو یہود نے دیکھا۔ کہ وہ ایک کمزور بے یار و مددگار آدمی ہے۔ جسنے کسی سلطنت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ بلکہ امن کے ساتھ رومی سلطنت کے ماتحت اپنی رسالت کی تبلیغ کرنے لگ گیا۔ ذرا یہود کی مایوسی کا اندازہ تو لگاؤ۔ وہ ایک ایسے شخص کی انتظار کر رہے تھے جس نے انکو بادشاہت کے تخت پر بٹھانا تھا۔ اور ایک بڑی یہودی سلطنت کا بانی ہونا تھا لیکن جب مسیح آیا۔ تو اسنے کیا کہا؟ اسی کے الفاظ سنئے :-

"لومڑیوں کے لئے ماندیں اور ہوا کے پرندوں کے واسطے بسیرے ہیں پر ابن آدم

کے لئے جگہ نہیں۔ جہاں اپنا سر دھرے ۔" (متی باب ۸ آیت ۲۰)

ٹھیک اسی طرح مسلمان ایک غازی مہدی کے منتظر ہیں۔ جو کافروں کو قتل کریگا۔ اور ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھیگا۔ لیکن جسطرح بنی اسرائیل کی سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اسیطرح ان کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ کیونکہ خدا اور رسول کے وعدے کے خلاف امید رکھکر یہ مُراد کو نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے۔ کہ آیندہ آنیوالے مُصلح کے روحانی عروج کو ظاہر کرنے کے لئے اور اس کی ترقیات اور لوگوں کی مخالفت کا پورا نقشہ لوگوں کے دلوں پر جمانے کے لئے جنگی اصطلاحات کو بطور استعارہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ لاعلمی کی وجہ سے ایسے کلمات کے ظاہری معنوں پر جم جاتے ہیں۔ اور ان کے مطابق مدعی کو ناپتے ہیں۔ وہ اور بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک دنیاوی بادشاہ کے ظہور میں اپنا نفع دیکھتے ہیں۔ ایک امن سے کام کرنیوالا مصلح کیا بنا سکتا ہے؟ وہ نہ تو انکی مالی حالت درست کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی سیاسی طور پر ان کی حالت کو سنوار سکتا ہے۔ لیکن ایک جنگجو نبی بڑی آسانی کے ساتھ ان کے خالی کیسوں کو بھر سکتا ہے۔ اور ان کو ملک میں حاکم بنا سکتا ہے۔ اسلئے ان کو کیا ضرورت پڑی۔ کہ ان سبز باغوں سے نکلکر جھاڑ دار راستوں میں قدم رکھیں۔ لیکن وہ اتنا نہیں سوچتے کہ اللہ کی طرف سے جتنے مصلح آتے ہیں۔ ان کا اصل کام روحانی اصلاح ہے۔ پس اگر وہ آتے ہی تلوار اُٹھالیں۔ تو انکی بعثت کا مطلب ہی فوت ہو جاتا ہے۔ لہذا مہدی معہود کے متعلق بعض احادیث میں جنگی اصطلاحات کا استعمال کیا جانا اس بات کو ظاہر نہیں کرتا۔ کہ مہدی ایک دنیاوی جرنیل کے طور پر ظاہر ہوگا۔ بلکہ ان سے صرف یہ مراد ہے۔ کہ مہدی کی بعثت فوق العادت نشانوں کے ساتھ ہوگی۔ اور وہ اسلام کی صداقت میں ایسے براہین قاطعہ لائیگا۔ جن سے مخالفین پر موت وارد ہو جائیگی۔ اسکے سوا ان کا اور کوئی مطلب نہیں۔ چاہو تو قبول کرو۔

منارۃ البیضاء

ان تینوں شبہات کے ازالہ کے بعد میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک مختصر سا نوٹ اس بات پر بھی ہو جاوے۔ کہ یہ جو کہا گیا کہ مسیح موعود دمشق کے شرق میں منارہ کے پاس نازل ہوگا۔ تو اس سے کیا مُراد ہے۔ سو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قادیان جو حضرت مرزا صاحب کا گاؤں ہے۔ وہ دمشق کے ٹھیک شرق میں ہے یعنی شرق

کی طرف آپکی غرض بلد پر واقع ہے۔ جیسے دمشق ہے۔ پس اتنے حصہ میں تو کوئی اشکال نہیں۔ اب رہا دوسرا حصہ
کہ مسیح منارة البیضاء یعنی سفید منارہ کے پاس نازل ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسیح کے وقت کا
یہ نشان ہے۔ کہ اسوقت بباعث دنیا کے باہمی میل جول کے۔ اور نیز راہوں کے کھلنے اور
سہولت ملاقات کی وجہ سے تبلیغ احکام اور دینی روشنی پہنچانا اور ندا کرنا ایسا سہل ہوگا۔ کہ گویا
یہ شخص منارہ پر کھڑا ہے۔ یہ اشارہ ریل اور تار اور اگن بوٹ اور انتظام ڈاک کی طرف تھا۔ جس نے
تمام دنیا کو ایک شہر کی مانند کر دیا۔ غرض مسیح کے زمانہ کے لئے منارہ کے لفظ میں یہ اشارہ ہے،
کہ اسکی روشنی اور آواز جلد دنیا میں پھیلیگی۔ اسی لئے اس کو پہلے سے یہ سامان دیئے گئے۔ نیز
اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ جسطرح ایک چیز جو بلندی پر ہو۔ وہ سب کو نظر آجاتی ہے۔ اور
دُور دُور کے رہنے والے اُسے دیکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود کا قدم بھی ایک منار پر ہوگا۔ اور
وہ اپنے روشن اور بین دلائل کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اگر لوگ خواہ مخواہ خود اپنی آنکھیں نہ بند کرلیں۔ اور
اس کی روشنی کو دیکھنے سے منہ نہ پھیریں۔ تو وہ ضرور تمام دیکھنے والوں کو نظر آجائے گا۔ کیونکہ
وہ ایک بلند مقام پر ہوگا۔ منارہ کے ساتھ سفید کا لفظ بڑھانے میں بھی ایک حکمت ہے۔ اور
وہ یہ کہ گو ہر ایک منارہ دور سے نظر آجاتا ہے۔ لیکن اگر وہ سفید ہو۔ تو پھر تو خصوصیت کے
ساتھ وہ چمکتا اور دیکھنے والے کی نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے یا سفید کا لفظ اس طرف اشارہ
کرتا ہے۔ کہ مسیح موعود کی بلندی بے عیب ہوگی۔ یعنی یہ نہیں ہوگا۔ کہ وہ کسی دنیاوی وجاہت
وغیرہ سے ایک بلند مقام پر ہو۔ اور دنیا اسے دیکھے۔ بلکہ اس کی بلندی خالص طور پر روحانی
ہوگی۔ اور اسی صورت میں وہ لوگوں کو نظر آئے گا۔ بشرطیکہ لوگ خود تعصب اور ظلمت پسندی
کی وجہ سے اپنی آنکھیں نہ بند کرلیں۔ جسطرح دیکھئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا قدم جس بلند
مقام پر ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن باوجود اسکے جن لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں۔ وہ آپ کو
نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی ظاہر مثال یوں ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اپنی کوٹھڑی کی کھڑکیاں سب بند کر
دے۔ تو باوجود اسکے کہ سورج چڑھا ہوا ہوگا۔ اس کے کمرے کے اندر اندھیرا ہوگا۔ مگر سورج کا
اسمیں کوئی قصور نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے دل کی کھڑکیاں بند کرلے۔ تو روحانی سورج اسکو
کسطرح روشنی پہنچائے گا۔ حضرت مرزا صاحب اس علامت کے پورا ہونے کا اپنے ایک شعر میں
یوں ذکر فرماتے ہیں۔ ازکلمۂ منارۂ شرقی عجب مدار ؛ چوں خود ز مشرق است تجلی نیرم

مسیح موعود کی صداقت کے معیار

اب تک میں نے یہ بتایا ہے کہ جو علامات مسیح اور مہدی کے تھے وہ پورے ہو چکے ہیں اور نیز صدی کا سر بھی گذر گیا ہے اسلئے ضروری ہے کہ انکو اٰلا آگیا ہو۔ اس کے بعد بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ وہ کونسے نشانات ہیں۔ جو خاص حضرت مرزا صاحب کے وجود باجود سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آپ منجانب اللہ ہیں۔ اسکے لئے میں چند معیار بیان کرتا ہوں۔ جو قرآن شریف نے ہم کو ہر ایک صداقت کے پرکھنے کے لئے بتائے ہیں۔ اور جنکے ذریعہ سے قرآن شریف نے نبی کریم اور دیگر انبیاء کی نبوت ہم سے منوائی ہے۔ اگر ان معیاروں کے مطابق حضرت مرزا صاحب پورے اترے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ جب وہ معیار دوسروں کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب باوجود ان کے مطابق پورے اترنے کے صادق نہ ثابت ہوں۔ یہ ایک نہایت موٹی بات ہے۔ کہ جن دلائل سے دیگر انبیاء کی صداقت ثابت ہے۔ وہی اگر حضرت مرزا صاحب کو سچا ثابت کریں۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ حضرت مرزا صاحب بھی منجانب اللہ ہیں۔ ہم نے تو قرآن شریف کے پیچھے چلنا ہے۔ اگر قرآن شریف حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ تو ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر قرآن شریف حضرت مرزا صاحب کی صداقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ تو پھر ان کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اور ان کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا موجب ہے۔ اب میں ایک ایک کر کے ان چند معیاروں کو بیان کرتا ہوں۔ جنکو قرآن شریف نے صداقت کے پرکھنے کے لئے بطور کسوٹی کے بیان کیا ہے۔

معیار اوّل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرتے ہوئے قرآن شریف بیان کرتا ہے۔ ظھر الفساد فی البرّ والبحر (پارہ ۲۱، رکوع ۸) یعنی نبی کریم کی اسواسطے ضرورت پیش آئی ہے۔ کہ بر و بحر میں فساد ظاہر ہو گیا ہے۔ یہاں بحر سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اہل کتاب ہیں۔ اور برّ سے غیر اہل کتاب مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں

ان لوگوں کی حالت بھی خراب ہو گئی ہو۔ جن کے پاس آسمانی کتاب ہے۔ اور انکی بھی جنکے پاس کوئی کتاب نہیں۔ اسلئے ضرورت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصلح ظاہر ہو۔ گویا قرآن شریف نے نبی کریم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے لوگوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ اس زمانہ میں بنی نوع انسان کی حالت سخت ابتر ہو گئی ہے۔ اور لوگ مختلف قسم کے گندوں اور خرابیوں میں مُبتلا ہو گئے ہیں۔ اسلئے ایسے زمانہ کے لئے ضروری ہو۔ کہ کوئی مصلح ظاہر ہو۔ اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کیونکہ طبیب کی اسی وقت ضرورت پیش آتی ہے۔ جب لوگ بیمار ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس زمانہ کا جسمیں ہم ہیں کیا حال ہے۔ کیا لوگ ایماندار ہیں۔ اور نیک اعمال بجالاتے ہیں یا ان کے ایمانوں میں نقص آگیا ہے۔ اور وہ نیک اعمال کو چھوڑ کر بُرے کاموں میں پڑ گئے ہیں سو یہ ظاہر ہے کہ آجکل دنیا کی رُوحانی حالت ایسی ابتر ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ لوگ مختلف قسم کے گندوں میں مبتلا ہیں۔ اور دنیا کے کاموں میں ایسے غرق ہیں۔ کہ آخرت کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے۔ بلکہ مذہب پر ٹھٹھا اور ہنسی کرتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی تعلیم کو پیٹھ پیچھے پھینک رکھا ہے۔ علماء جن کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ عوام کو سیدھے راستہ پر رکھیں۔ خود ایسے گر چکے ہیں۔ کہ چند پیسوں پر اپنا دین ایمان بیچنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ہزاروں گندوں میں مُبتلا ہیں۔ اور قرآن شریف کے اصل اور حقیقی معنوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ غرض اس زمانہ میں لوگ مذہب کو کلی طور پر چھوڑ چکے ہیں۔ اور صرف ایک قوم کا یہ حال نہیں۔ بلکہ ساری دنیا پر یہ بلا آئی ہوئی ہے۔ اور دنیا سچے معنوں میں اس آیت کی مصداق ہو رہی ہے۔ کہ ظہر الفساد فی البر و البحر۔ جدہر دیکھو لامذہبی جدہر دیکھو دنیا کی محبت۔ جدہر دیکھو۔ خدا کے کاموں سے نفرت۔ پس یہ زمانہ پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت کو بیان کر رہا ہے۔ اگر ایسے وقت میں بھی کوئی مصلح ظاہر نہ ہو۔ تو نعوذ باللہ خدا پر الزام آتا ہے۔ کہ اس نے لوگوں کا خیال چھوڑ دیا۔ مگر نہیں اُسنے ٹھیک وقت پر اپنی طرف سے ایک مصلح کو بھیجا۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سچا نہیں تو نعوذ باللہ یہ خدا پر الزام ہے۔ کہ بجائے اسکے کہ لوگوں کو ہدایت پر لانے کے لئے وہ کسی مصلح کو بھیجتا۔ اس نے مخلوق کو اور گمراہ کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو کھڑا کر دیا جو دین کو خراب کر رہا ہے۔ اور لوگوں کی گمراہی کا موجب ہو رہا ہے۔ اگر خدا کسی مصلح کو نہ

بھیج سکتا تھا۔ تو لوگوں کو ان کی اپنی حالت پر ہی رہنے دیتا۔ مگر یہ ظلم تو دیکھو کہ گمراہی کے گڑھے
میں اور دھکیلنے کے لئے اس نے ایک مفسد پیدا کر دیا۔ پس اے وے لوگو جو مسلمان کہلاتے
ہو۔ حضرت مرزا صاحب کا انکار کر کے خدا پر الزام مت لگاؤ۔ اس نے جو کیا تمہاری بہتری کے لئے
کیا۔ تم پیاسے تھے۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا۔ تم بھوکے تھے۔ اس نے اپنی طرف سے
کھانا نازل کیا۔ تم بیمار تھے۔ اس نے ایک طبیب بھیجا۔ تم بھیڑوں کی طرح بھیڑیوں کے
اندر گھر گئے تھے۔ اس نے تمہارے لئے ایک چرواہے کو پیدا کیا۔ پس اسنے تو عین وقت
پر تمہاری خبر گیری کی۔ لیکن تم نے ہی اسکی نعمت کی قدر نہ کی۔ پس اسپر الزام مت رکھو۔ بلکہ اپنے
گریبانوں کے اندر منہ ڈالو۔ کیونکہ جو کچھ کیا تم نے کیا ❖

معیار دوم

دوسرا معیار صداقت جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔ وہ ان الفاظ میں بتایا ہے
فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)
یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کفار کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں نے اس دعوے سے پہلے
تمہارے اندر ایک عمر گذاری ہے۔ تم عقل سے کیوں نہیں کام لیتے۔ اس آیت کریمہ میں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کی دلیل میں اپنی ابتدائی عمر کو پیش کیا ہے۔ اور بڑی تحدی
کے ساتھ کفار مکہ کو للکارا ہے۔ کہ میں تمہارے اندر اپنے دعویٰ سے پہلے ایک ایسی عمر گذار
چکا ہوں۔ تم مجھ پر کوئی اعتراض تو کرو۔ اور میرے چال چلن کے خلاف کوئی ایک بات تو پیش
کرو۔ مگر کفار نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور دے تے ہی کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے دعویٰ سے پہلے کی زندگی جو آپ نے مکہ میں گذاری۔ ایسی پاک اور مطہر تھی۔ کہ آپ امین کے
نام سے مشہور تھے۔ اور تمام لوگ آپ کو عزت کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اور آپ کو صادق القول
یقین کرتے تھے۔ تو آنحضرت فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے اپنی جوانی کی عمر تقویٰ اور طہارت میں بسر
کی۔ اور کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ اور تم اسے جانتے ہو۔ تو کیا اب بڑھاپے میں خدا پر جھوٹ
بنانے لگا ہوں۔ ظاہر ہے۔ کہ جس کی چالیس سال کی زندگی نہایت پاکیزہ ہو۔ اسکی یکلخت
کسطرح یہ حالت ہو سکتی ہے کہ وہ خدا پر افترا باندھنے لگ جاوے۔ جو شخص انسان
پر جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ خدا پر کس طرح جھوٹ بولیگا۔ تو گویا ایک مدعی کی ابتدائی زندگی

بطور معیار کے ہے۔ جس پر کسی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب اس معیار پر کیا ثابت ہوتے ہیں۔ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے الہام کیا۔ کہ تو اپنے مخالفوں کو کہدے کہ ولقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ یعنی اے لوگو میں نے تمہارے درمیان اپنے دعوے سے پہلے ایک لمبی عمر گذاری ہے۔ اور تم دیکھ چکے ہو۔ کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں تو اگر کسی کو ہمت ہے۔ تو میری ابتدائی زندگی میں کوئی نقص نکالو۔ یا میرا کوئی جھوٹ ثابت کرو۔ مگر سب خاموش رہے۔ ہاں دعویٰ کے بعد مخالفین نے ہزاروں عیب حضرت مرزا صاحب میں نکالے لیکن دعویٰ سے پہلی زندگی میں وہ ایک بات بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے۔ جو آپ کی ذات کے متعلق کوئی شبہ پیدا کرنے والی ہو۔ اگر حضرت مرزا صاحب عرب یا مصر یا ایران میں جا کر یہ دعویٰ کرتے تو بصورت جھوٹا ہونے کے بھی شاید یہ دعوے چل سکتا۔ کیونکہ وہاں کے لوگ حضرت مرزا صاحب کے حالات سے واقف نہ تھے۔ لیکن پنجاب کے اندر پھر اپنے شہر کے اندر جہاں لوگ ان کے حالات سے آگاہ تھے۔ ایسا تحدی کے ساتھ دعویٰ کرنا سوائے اس کے نہیں ہو سکتا۔ کہ انسان کی زندگی واقعی پاکیزہ اور مطہر گذری ہو۔ آج جو لوگ حضرت مرزا صاحب میں ہزاروں عیب نکالتے ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔ ان سے جا کر قسم دیکر پوچھو کہ دعویٰ سے پہلی زندگی آپ کی کیسی گذری ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو مرزا صاحب کے مخالفین میں سے اوّل نمبر پر ہیں۔ اور جنہوں نے سب سے پہلے کفر کا فتویٰ تیار کیا۔ اور جو حضرت مرزا صاحب کے ہم وطن ہیں۔ انہوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے پہلے آپ کے متعلق لکھا۔ کہ یہ شخص تمام گندوں سے پاک۔ اور صادق القول اور قرآن و حدیث کے سب حکموں پر چلنے والا ہے۔ اور اس کی زندگی نہایت پاکیزہ اور بے عیب ہے۔ اور یہ کہ اس نے اسلام کی ایسی خدمت کی ہے۔ کہ صدیوں سے بعد اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اور یہ بھی لکھا کہ ہم بوجہ ہم وطن ہونے کے مرزا صاحب کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ اس لئے ہماری گواہی ان کے متعلق واقعات اور چشم دیدہ حالات پر مبنی ہے۔ لیکن آج وہی مولوی صاحب حضرت مرزا صاحب کو خدا پر افترا کرنے والا اور مخلوق خدا کو گمراہ کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ ان کی وہی حالت ہے۔ جو ابو جہل کی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے

پہلے وہ آپ کو امین کے نام سے یاد کرتا تھا۔ لیکن جونہی آپ نے دعوےٰ کیا۔ اس نے آپ کو جھوٹا اور کذاب قرار دیدیا۔ لیکن بعد میں جب مخالفت پیدا ہو جاوے۔ اس وقت کی گواہی کس قابل ہے ؟

بات تو جب ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی کے متعلق کوئی ایسی بات پیش کرو۔ جو ان کے متعلق شبہ پیدا کرنے والی ہو۔ مگر یاد رکھو۔ کہ ہزار سر پٹخو۔ ایسی ایک بات بھی پیش نہ کر سکو گے تبھی تو حضرت مرزا صاحب کمال تحدی کے ساتھ للکارتے ہیں کہ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون۔ پس جب ابتدائی چالیس سالہ زندگی حضرت مرزا صاحب کی پاکیزہ اور قرآن و حدیث کے عین مطابق تھی۔ اور آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور خادم تھے۔ اور آپ نے کبھی کوئی جھوٹ نہ بولا تھا۔ تو بڑھاپے میں جبکہ آپ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ اس وقت کس طرح آپ یک لخت ہزاروں گندوں میں مبتلا ہو گئے۔ اور خدا پر افترا باندھنے لگ گئے۔

دیکھو یہ ایک فطرتی تقاضا ہے۔ کہ انسان کی حالت آہستہ آہستہ بدلتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کہ ایک انسان رات کے وقت نہایت پاکیزہ فطرت سوئے۔ اور صبح اٹھتے ہی ہزاروں گندوں میں مبتلا ہو۔ پس جب چالیس پچاس تک حضرت مرزا صاحب نے خدا کے خوف میں زندگی گذاری۔ اور کبھی انسان پر تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو یہ کس طرح ہو گیا۔ کہ یک لخت وہ خدا پر افترا باندھنے والے اور خلق کے گمراہ کرنے والے بن گئے۔ یونہی ایک شخص کو جھوٹا اور مفتری علی اللہ قرار دیدینا اور بات ہے۔ مگر غور تو کرو۔ کہ وہ جسنے اپنی جوانی کی ایک ایک پل اللہ کی عبادت میں گذاری۔ اور مخلوق کی ہدایت اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور مذاہب باطلہ کی تردید اور اسلام کی تائید میں ایک بڑی ضخیم کتاب دس ہزار روپے کے انعام کے ساتھ شائع کی۔ وہ کس طرح یک لخت اپنے بڑھاپے میں ایسا گر گیا۔ کہ انسان چھوڑ خدائے دو جہان پر افترا باندھنے لگ گیا۔ اور اسلام کا دشمن جانی بن گیا۔ آخر انصاف بھی کوئی چیز ہے۔ مرزا صاحب کی مخالفت میں ایسے اندھے نہ ہو کہ دوسرے نبیوں کو بھی چھوڑنا پڑے۔ رکھو کہ اگر صداقت کے معیار مرزا صاحب کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ اور تم ان کو نہیں مانتے۔ تو پھر ان ہی معیاروں کی بنا پر تم گذشتہ نبیوں کو کس طرح سچا مان سکتے ہو۔ اللہ کے سب رسول ایک کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں پس جب خدائی کسوٹی حضرت مرزا صاحب کو سچا نبی اللہ ثابت کر رہی ہے۔ تو مرزا صاحب کا انکار

کرکے انجام سوچ لو۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت خدیجہ اُم المومنین رضؓ نے
حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق صرف اسی معیار کی کسوٹی پر پرکھ کر کی تھی جب
حضرت ابوبکرؓ نے سُنا کہ آنحضرتؐ نے دعویٰ کیا ہے۔ تو اسی وقت کہا کہ یہ دعویٰ سچا ہے۔ کیونکہ محمدؐ
جھوٹ بولنے والا آدمی نہیں۔ یہی حال حضرت خدیجہ کا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری +

معیار سوم

تیسرا معیار صداقت قرآن شریف یوں بیان فرماتا ہے:۔
ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ ۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۱) ویخرجہم
من الظلمات الی النور ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ
دیکھو یہ کسطرح جھوٹا ہو سکتا ہے۔ یہ تو لوگوں کی اصلاح کا کام کر رہا ہے۔ اور ان کی جانوں کو پاک کر
رہا ہے۔ اور ان کے گندوں کو دور کر رہا ہے۔ اور کتاب کا صحیح علم ان کو دے رہا ہے۔ اور حکمت
اور دانائی کی باتیں ان کو بتاتا ہے۔ اور ان کو گناہوں کی تاریکیوں سے نکالکر نور اور روشنی کی طرف لا رہا
ہے۔ نبی کریم کی بعثت سے پہلے عرب کی قوم ہزاروں لاکھوں گندوں میں مبتلا تھی۔ لیکن آپ نے ان
کی وہ اصلاح کی۔ کہ چند ہی سال میں وہ خدا رسیدہ قوم بن گئی۔ آپ سے پہلے تو وہ اپنی وحشت میں انسانیت
سے بھی نیچے گرے ہوئے تھے۔ لیکن آپ کا دامن چھونے سے ان کے اندر وہ تبدیلی پیدا کی۔ کہ
تھوڑے ہی عرصہ میں ان کو باخدا انسان بنا دیا۔ پس کسی مدعی کے دعاوی کو پرکھنے کے لئے اور
معیاروں میں سے ایک معیار یہ بھی ہے۔ کہ وہ واقعی دنیا میں اصلاح کا کام کر رہا ہو۔ اور
لوگوں کے ایمانوں کو تازہ کرتا ہو۔ اور کتاب کا صحیح علم اور حکمت کی باتیں ان کو بتاتا ہو۔ اور ان کے لئے
روحانیات میں ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہو۔ جیسے کہ قرآن شریف نے فرمایا:۔ لکم فی رسول اللہ
اسوۃ حسنۃ ۔ (پارہ ۲۱، رکوع ۱۹) یعنے اے لوگو! تمہارے لئے رسول خدا میں ایک نہایت اعلیٰ
نمونہ ہے۔ جسکی اتباع کرکے تم اپنی اصلاح کر سکتے ہو۔ پس اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت
مرزا صاحب اس معیار کی رُو سے صادق ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟ سو ساری دنیا جانتی ہے
کہ حضرت مرزا صاحب نے جو جماعت چار لاکھ یا کم و بیش کی تیار کی۔ اسکی کیا حالت ہے۔ پہلے وہ
مختلف قسم کے گندوں میں مبتلا تھے۔ لیکن آپ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے بعد ان کی حالت
بالکل بدل گئی۔ اور وہ سچے خدا پرست انسان بن گئے۔ ہزاروں ایسے نکلیں گے۔ جو احمدی ہونے

سے پہلے زنا، شراب، قمار بازی اور چوری وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ لیکن احمدی ہونے کے ساتھ
وہ نئے انسان بن گئے۔ اور جو لوگ کبھی فرض نماز کے بھی قریب نہ گئے تھے۔ وہ ایسے نمازی بنے
کہ اگر ان سے کبھی تہجد کی نماز جاتی رہے۔ تو ان کو گھنٹوں افسوس رہتا ہے۔ جو لوگ رمضان کے
مبارک مہینہ میں ایک روزہ بھی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ روزہ رکھنے والوں پر ٹھٹھا اور ہنسی کرتے تھے
وہ رمضان کے علاوہ بھی سال میں کئی روز خدا کی یاد میں کھانے سے دست کش ہو جاتے ہیں
جن کو خدا کی راہ میں ایک پیسہ دینا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اب خدا کی رضا حاصل کرنے
کے لئے حسب توفیق بہت سا مال خرچ کرتے ہیں۔ ایمانیات کا یہ حال ہے۔ کہ جو خدا کی ذات کا پہلے انکار
کرتے تھے۔ اب ان کے دلوں میں ذات باری تعالےٰ کا نقش ایسا جما ہے۔ کہ ہر وقت اس کی یاد میں
رہتے ہیں۔ جو آنحضرت کو ایک معمولی انسان جانتے تھے۔ اور آپ کی باتوں کو عزت کی نظر سے نہ
دیکھتے تھے۔ اب ان کا یہ حال ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات پر دل وجان
سے قربان ہونے کو تیار ہیں۔ اللہ پر ایمان صرف ایک خیال اور اعتقاد تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ مشاہدہ
کا رنگ اختیار کر چکا ہے۔ غرض جو پہلو بھی لو اس میں ان لوگوں کی پہلی حالت اور موجودہ حالت
میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ بے شک بعض ہم میں کمزور بھی ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس
جماعت کی حالت دوسرے مسلمانوں کی نسبت ہزارہا درجے اچھی ہے۔ بعض کا کمزور ہونا
تعجب انگیز امر نہیں۔ کیونکہ صحابہ میں بھی سب ایک درجہ پر نہ تھے۔ بلکہ بعض کمزور بھی تھے اسی
طرح ہم میں بھی بے شک بعض کمزور ہیں۔ لیکن جماعت کی عام حالت حضرت مرزا صاحب کی
صداقت پر ایک بین دلیل ہے۔ قرآن شریف کا علم جو خدا کے فضل سے اس جماعت کے افراد
کو حاصل ہے۔ وہ آج روئے زمین کے پردہ پر کسی کو نہیں۔ تقویٰ کی باریک راہیں جن سے
آج دنیا بے خبر ہے۔ وہ احمدی جماعت کے اندر ہی دیکھی جاوینگی۔ عام حالت جو آجکل مسلمانوں
کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ چند پیسوں پر دین کو قربان کر دیتے ہیں۔ اور ہر ایک بات میں عملی طور پر
دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے شرائط بیعت ہی میں رکھا ہے۔ کہ
میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس جماعت کے اکثر افراد حضرت مرزا صاحب کے ماننے کی
وجہ سے طرح طرح کی تکالیف میں ڈالے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر کے ساتھ سب تکالیف

کو برداشت کیا۔ اور جس حق کو پایا تھا اُسے نہ چھوڑا۔ دو معزز اشخاص اس جماعت کے بڑی بے رحمی
کے ساتھ امیر کابل کے حکم سے ملک کابل میں قتل کر دیئے گئے۔ لیکن انہوں نے موت اختیار
کی۔ مگر اپنے عقائد سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہونا قبول نہ کیا۔ حضرت مولوی عبداللطیف صاحب
جو کابل میں سنگسار کیئے گئے۔ وہ ایک نہایت معزز حیثیت رکھتے تھے۔ اور ان کے
پچاس ہزار کے قریب مرید بھی تھے۔ انہوں نے جب حضرت مرزا صاحب کو قبول کیا۔ تو امیر کابل
نے ان کو قید کر دیا۔ اور سخت تکالیف دیں۔ اور بالآخر ان کو زمین میں نصف گاڑ دیا۔ اور ان پر پتھر
برسانے کا حکم دیا جس سے وہ جاں بحق ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو زمین میں گاڑ دیا گیا۔ تو
ان کے پاس خود امیر چل کر آیا۔ اور ان کو کہا کہ اب بھی تم مرزا کو چھوڑ دو۔ تو میں تم کو پہلے کی طرح
معزز بنا دوں گا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ جس حق کو میں نے پایا ہے۔ اُسے نہیں چھوڑوں گا۔
آپ کا اختیار ہے۔ جو چاہیں کریں۔ جس پر امیر نے پتھراؤ کا حکم دیا۔ غرض جو نمونہ سچے ایمان
کا اس جماعت نے دکھایا ہے۔ وہ آج کہیں نہیں ملتا۔ اب رہی یہ بات کہ خود مرزا صاحب
کہاں تک شریعت کے احکام میں نمونہ تھے۔ سو ساری دُنیا جانتی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب
شریعت پر چلنے کا ایک کامل نمونہ تھے۔ نبی کریمؐ کی اطاعت اور محبت آپ کے رگ و ریشہ میں اس
قدر گھر کر چکی تھی۔ کہ جزو جان بن گئی تھی۔ آپ نے جوانی کے عالم میں جب انسان کے لئے
ہزاروں قسم کے بد جذبات اور محرکات ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان ثابت
کیا۔ اور تقویٰ کی باریک در باریک راہوں کو اختیار کر کے یہ دکھایا کہ آپ کی جان کو خالق
حقیقی کے ساتھ ایک غیر معمولی طور پر مضبوط پیوند ہے۔ جسے مصائب کی آندھیوں کا سخت
سے سخت جھونکا بھی نہیں ہلا سکتا۔ بعض وقت آپ ساری ساری رات اللہ کی یاد میں گذار دیتے
پھر صرف عبادت ہی میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک نیک کام میں آپ نے اپنی جماعت کے لئے ایک نہایت
اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ صبر میں۔ توکل علی اللہ میں۔ تواضع میں۔ ہمدردی خلق اللہ میں۔ اقرباء کے
ساتھ سلوک میں۔ راست گفتاری میں۔ امانت و دیانت میں۔ رفق و عفو میں۔ عدل اور
احسان میں۔ پھر شجاعت اور دلیری میں غرض کوئی بھی ایسی نیک صفت نہیں۔ جس میں حضرت
مرزا صاحب نے ہمارے لئے نہایت اعلیٰ نمونہ قائم نہ کیا ہو۔ آپ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کی کامل اتباع کرکے اور فنافی الرسول ہو کر لوگوں کے سامنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ تصویر پیش کی۔ پس جو لوگ اس زمانہ میں دوسرے پیروں اور اماموں کو مانتے ہیں۔ وہ خدارا سوچیں۔ کہ کیا ان کے پیروں اور اماموں نے بھی ایسا کیا۔ کیا انہوں نے بھی اسلام کی محبت اور اسکے احکام کی اطاعت کا وہ کامل نمونہ دکھایا۔ جو حضرت مرزا صاحب نے دکھایا اور کیا انہوں نے بھی لوگوں کی ایسی اصلاح کی۔ جو حضرت مرزا صاحب نے کی۔ ہم کو اپنی طرف سے کوئی رائے دینے کی ضرورت نہیں۔ غیرت مند انسان کا دل خود بول اٹھیگا کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

معیار چہارم

چوتھا معیار صداقت کا جو قرآن شریف سے ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ (پارہ ۱۰۔ رکوع ۱۱) یعنے ہم نے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر اسلئے بھیجا ہے۔ کہ تا وہ اس دین کو باقی تمام دینوں پر غالب کردے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کے بھیجنے کی غرض یہ بیان کی ہے۔ کہ تا اسلام کا باقی تمام دینوں پر غلبہ ثابت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا جانشین بھی وہ ہونا چاہیئے۔ جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہو۔ اور جسکے ذریعہ سے خدا اسلام کو باقی دینوں پر غالب ثابت کرتا ہو۔ آنحضرت ؐ کا جانشین وہ نہیں ہوسکتا۔ جسکو دین اسلام کی کوئی فکر نہ ہو۔ اور وہ آرام طلبی میں دن گذارے۔ دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام پر اعتراض کریں۔ اور وہ خاموش بیٹھا رہے۔ بلکہ آنحضرت ؐ کا جانشین بھی آپ ہی کی طرح وہ ہونا چاہیئے۔ جسکو اسلام کے لئے غیرت ہو۔ اور جو ہر وقت اس کی خدمت اور اشاعت میں لگا رہے۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اس بات کو دنیا پر ثابت کردے۔ کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو آج اس قابل ہے۔ کہ اس کو اختیار کیا جاوے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جسقدر بیرونی حملوں کا اسلام شکار ہو رہا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تمام مذاہب اسبات کی کوشش میں ہیں کہ کسی طرح اسلام کو نابود کردیں۔ آریہ ہیں۔ تو وہ اعتراض کررہے ہیں۔ عیسائی ہیں تو وہ اعتراض کررہے ہیں۔ سکھ اور برہمو ہیں۔ تو وہ اعتراض کررہے ہیں۔ غرض اس زمانہ میں اسلام کا

وجود چاروں طرف اعتراضوں کے نیچے دبا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے ہزاروں لاکھوں کلمہ گو
مسلمان ارتداد اختیار کرکے اسلام کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ پس اس زمانہ میں جو شخص مدعی امامت کا
ہوتا ہے۔ اس کا فرض یہی ہے۔ کہ وہ اسلام کو ان ضربات سے بچائے۔ اور ان اعتراضوں کا جو غیر مذاہب
کی طرف سے اسلام پر ہوتے ہیں۔ مدلل جواب دے۔ یہ زمانہ چین سے بیٹھنے کا نہیں ہے۔ اسلام
جیسی پیاری چیز خطرہ میں ہے۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ امام تو الگ رہا۔ ہر ایک مسلمان کہلانیوالے
کا فرض ہے۔ کہ وہ اس وقت ایک سپاہی کی طرح اسلام کی خدمت کیلئے کھڑا ہو جاوے۔ اور اپنی جان
اور مال اور آرام کو اسکے راستہ میں قربان کردے۔ کیا اگر کسی کے گھر کو آگ لگ رہی ہو۔ تو وہ
آرام کے ساتھ سو سکتا ہے۔ پس ایک غیرتمند انسان جسکو اسلام سے محبت ہے۔ وہ اسلام
جیسی چیز کو خطرہ میں دیکھ کر کس طرح چین سے بیٹھ سکتا ہے۔ جب یہ حال ہے۔ تو وہ جو خدا کی
طرف سے امام ہونے کا مدعی ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنتا ہے۔ اس کا
تو یہ فرض اولیٰ ہے۔ کہ وہ اپنی گھڑی گھڑی کا اسلام کی خدمت اور اشاعت میں گذارے۔ اور
یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ جو شروع میں ہم نے بطور معیار کے بیان کی ہے۔ اب ہم نے
دیکھنا یہ ہے۔ کہ کیا حضرت مرزا صاحب اس معیار کے مطابق صادق ثابت ہوتے ہیں یا نہیں
سو تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ آپنے اسلام کی اشاعت اور غیر مذاہب کے اعتراضات دور کرنے کے
لئے ۸۰ کے قریب کتابیں لکھیں۔ اور دنیا میں شائع کیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں آپنے اردو
انگریزی۔ فارسی۔ عربی اور دوسری زبانوں میں اشتہار چھپوا کر دنیا کے مختلف ممالک میں تقسیم
کروائے۔ اپنے زمانہ کے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط چھپوا کر روانہ کئے۔ جنمیں ثابت
کیا۔ کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے۔ جو کامل ہے۔ اور زندہ کہلا سکتا ہے۔ ملکہ معظمہ وکٹوریہ
کو بھی ایک خط لکھا۔ جسے ملکہ معظمہ نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور اسکی ایک اور کاپی بھی
طلب فرمائی۔ غرض اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کیلئے حضرت مرزا صاحب نے ان تمام ذرائع
کو استعمال کیا۔ جسے انسان تصور میں لا سکتا ہے۔ سب سے پہلی کتاب جو آپنے لکھی وہ براہین احمدیہ
ہے اس کے لئے آپنے دس ہزار روپیہ کا انعام مقرر کیا۔ اگر کوئی شخص غیر مذاہب میں ان
دلائل کو توڑ دے۔ جو آپنے اس کتاب میں اسلام کی صداقت میں بیان کئے۔ مگر کوئی مقابل

پیش اُٹھا۔ پھر آریوں۔ عیسائیوں کے ساتھ آپ نے تقریری اور تحریری مباحثے کئے جن میں ان کو شرمندہ اور لاجواب ہونا پڑا۔ ان کے اعتراضوں کے ایسے دندان شکن جواب دیئے۔ کہ آج دوست و دشمن ان کا مدلل اور مسکت ہونا قبول کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں۔ بلکہ کمال تحدی کے ساتھ کہا۔ کہ چونکہ میں اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اسلئے کوئی غیر مذہب والا میرے مقابل پر آکر اپنے مذہب کے سچا ہونے کے ثبوت میں نشان اور معجزہ دکھلائے۔ مگر اس بات میں سب ہی ہٹ گئے۔ اور جو اُٹھا اُسنے منہ کی کھائی۔ غرض آپ نے اسلام کی وہ خدمت اور اشاعت کی۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور گھڑی آپ نے اس کام پر لگا دی۔ اور چین نہیں لیا۔ جب تک اپنی آخری آرام گاہ میں نہیں جا لیٹے۔ اللھم صل علیہ وعلےٰ مطاعہ محمد۔ آپ نے اپنی کتابوں میں ہمارے لئے وہ قیمتی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ کہ اگر آج مسلمان اس کو مضبوط پکڑ لیں۔ تو وہ کبھی غیر مذاہب والوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اسلام کے اندر ایک ایسے علم کلام کی بنیاد رکھ دی ہے کہ اب مسلمانوں کی اپنی بدقسمتی ہوگی۔ اگر آریہ یا عیسائی یا دیگر مذاہب والے ان کو تنگ کریں۔ اور یہ سب کچھ حضرت مرزا صاحب نے قرآن شریف کی کان سے ہی نکالا۔ کیونکہ الخیر کلہ فی القرآن۔

غرض جو خدمت اسلام کی دیگر مذاہب کے خلاف حضرت مرزا صاحب نے کی ہے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ وہ لوگ جو اعتقادات میں حضرت مرزا صاحب سے سخت مخالفت رکھتے ہیں۔ وہ بھی اس بات پر مجبور ہیں۔ کہ ان کی بے نظیر اسلامی خدمات کا اعتراف کریں۔ چنانچہ آپ کی وفات پر اخبار وکیل جو پنجاب کا ایک نہایت مشہور غیر احمدی اسلامی اخبار ہے۔ اس میں اڈیٹر کی طرف سے ایک مضمون شایع ہوا تھا۔ جس کے ایک حصہ کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا۔ اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس ۳۰ برس تک زلزلہ اور طوفان رہا جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی

موت اس قابل نہیں۔ کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔

میرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی۔ خاتمہ ہو گیا۔ انکی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے۔ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے

میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ ...... اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے۔ جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھیگی۔ کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے۔ اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔ قائم رہیگا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ ان کے آریہ سماج کے مقابل کی تحریروں سے اس دعوی پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے۔ کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے۔ ناممکن ہے۔ کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں۔

فطری ذہانت مشق و مہارت۔ اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں

ایک خاص شان پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی۔ اور وہ اپنے ان معلومات کو نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ کہ مخاطب کیسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں۔ اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا۔ کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں۔ کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی۔ اور یہ نتیجہ تھی۔ ان کی فطری استعداد کا ذوقِ مطالعہ اور کثرتِ مشق کا۔ آیندہ امید نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذہب کے مطالعہ میں صرف کر دے"۔

اس کے علاوہ اور اردو اور انگریزی اخبارات نے بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے۔

معیار پنجم

پانچواں معیار جو قرآن شریف نے ہم کو بتایا ہے۔ یہ ہے۔

یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون

(پارہ ۲۳۔ رکوع ۱۴) یعنے وائے افسوس لوگوں پر۔ کوئی رسول ان کی طرف نہیں آتا۔ مگر وہ اس سے ہنسی اور ٹھٹھا کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قاعدہ کلیہ کے طور پر ہم کو بتایا ہے کہ ضروری ہے کہ ہر ایک جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آوے۔ اس کا انکار کیا جاوے۔ اور اس پر ہنسی اڑائی جاوے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مصلح اسی وقت آتا ہے۔ جب لوگ گمراہی میں پڑ چکے ہوں۔ اس لئے لامحالہ وہ لوگوں کے خلاف آواز اٹھائے گا۔ تا کہ ان کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرے۔ لیکن چونکہ انسان اس بات کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کہ اپنی حالت بدلے۔ کیونکہ وہ اپنی موجودہ حالت کو درست سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ پکارنے والے کی آواز کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ انکار کرتا اور اس سے ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کیا ہے کہ ضرور ہے۔ کہ جب میری طرف سے کوئی مصلح آئے۔ تو اس کا انکار کیا جاوے۔ اور اس کی ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاوے۔ دیکھئے حضرت مسیح ناصری جب مبعوث ہوئے۔ تو یہود نے آپ کا انکار کیا۔ اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا۔ اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے یونہی نہیں مان لیا۔ بلکہ آپ کی تو وہ مخالفت ہوئی کہ کبھی کسی نبی کی ایسی مخالفت نہیں ہوئی۔ غرض ہر ایک مصلح کا انکار ہوتا آیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت مرزا صاحب کی مخالفت ہوئی یا نہیں۔ اگر ان کو لوگوں نے یونہی بغیر مخالفت کے مان لیا ہو۔ تو واقعی ان کی صداقت شبہ میں پڑ جاتی ہے۔ لیکن اگر ان کی مخالفت ہوئی اور سخت ہوئی۔ تو پھر یہ ان کی صداقت پر ایک دلیل ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب نے جب مسیح اور مہدی ہونے کا دعوےٰ کیا۔ تو ہندوستان کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک ایک آگ لگ گئی۔ اور آپ کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے آپ کے خلاف جھوٹے مقدمات کھڑے کئے گئے۔ آپ کے ماننے والوں کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا گیا۔ کابل کے ملک میں آپ کے دو مخلص مُرید صرف آپ کو ماننے کی وجہ سے قتل کر دیئے گئے۔ غرض آپ کی وہ مخالفت ہوئی۔ کہ گذشتہ انبیاء کے حالات میں بھی اس کی کم نظیر ملے گی۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ کہ آپ ایک ایسی سلطنت کے ماتحت تھے جس کا فولادی ہاتھ تمام شور شوں اور بلوؤں کو روکنے والا ہے۔ ورنہ مخالفت جو اپنا رنگ دکھاتی۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ بس اس معیار نے بھی آپ کی صداقت پر مُہر کی۔ اور یہ صاف طور پر بتا دیا۔ کہ آپ اسی خدا کی طرف سے ہیں۔ جس نے فرمایا:-

یاحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن٭

بعض لوگ حضرت مرزا صاحب کو قبول کرنے سے اس وجہ سے رُک جاتے ہیں کہ آپ کو بہت لوگ نہیں مانتے۔ ایسے لوگوں کو خیال رہے۔ کہ مخالفت کا ہونا اور لوگوں کا ہنسی ٹھٹھا کرنا تو آپ کی تائید میں ایک بیّن دلیل ہے نہ کہ آپ کے خلاف۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئیے۔ کہ زیادہ مخالفت کرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں۔ اور عوام ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ حضرت مسیح کا اگر یہودی علماء انکار نہ کرتے۔ تو عوام آپ کو ضرور قبول کر لیتے۔ لیکن علماء نے آپ پر کفر کے فتوے

لگائے۔ اور آپ کو دین کا بگاڑنے والا قرار دیا۔ اسیطرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنیوالے بھی بڑے لوگ ہی تھے۔ پس علماء کا نہ ماننا بھی کسی کے راستہ پر روک نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو مرزا صاحب کی منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔ اگر مرزا صاحب کو تمام علماء قبول کر لیتے۔ تو پھر آپ کا منجانب اللہ ہونا مشتبہ ہو جاتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول نہیں۔ جسکی مخالفت نہ ہو۔ تعجب ہے۔ جو بات مرزا صاحب کی صداقت پر ایک بیّن دلیل ہے۔ اسی کو لوگوں نے اپنے رستہ میں روک بنالیا ہے۔ یہ قرآن شریف کو چھوڑ دینے کا وبال ہے۔ ورنہ اگر مسلمان قرآن شریف کی تعلیم سے کچھ واقف ہوتے۔ تو علماء کی مخالفت کی وجہ سے مرزا صاحب کو جھوٹا نہ کہتے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ جو بات آپ کو سچا ثابت کر رہی ہے۔ وہی آپکے کذب کی دلیل بیان کی جاتی ہے۔ افسوس صد افسوس! پس اب اے قرآن شریف کو خدا کا کلام جاننے والو! تم اگر مرزا صاحب کو کسی اور وجہ سے نہیں مانتے۔ تو خیر۔ مگر صرف اس وجہ سے تم کو انکار کرنے کا اختیار نہیں۔ کہ لوگوں نے نہیں مانا۔ یا یہ کہ بعض علماء نے قبول نہیں کیا۔ کیا تم مخبر صادق کا وہ قول بھول گئے۔ کہ علماء ھم شر من تحت ادیم السماء یعنی وہ زمانہ آئے گا۔ کہ آسمان کے نیچے جتنے متنفس ہیں۔ ان میں سے بدترین مخلوق علما ہونگے پس علماء کی وجہ سے رُکنا شیوہ ایمان نہیں۔ جب قرآن شریف نے اور نبی کریم کے الفاظ نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت کردی۔ تو علماء ہزار انکار کریں۔ کوئی پروا نہ کرنی چاہیئے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

جب کھل گئی سچائی پھر اس کو مان لینا ٭ نیکوں کی ہے یہ خصلت راہ حیا یہی ہے

ہر ایک آدمی نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ پس وہ شخص جو قرآن شریف کے صریح فیصلہ کو چھوڑ کر نام نہاد علماء کے پیچھے چلتا ہے۔ وہ اپنا ٹھکانہ سوچ لے۔ قرآن شریف کی تعلیم مشکل نہیں۔ ہر ایک عقل رکھنے والا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ولقد یسرنا القرآن۔ یعنی ہم نے قرآن کو بہت آسان بنایا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا علماء میں اختلاف نہیں ہے۔ کیا علماء ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن رہے۔ آہ! افسوس۔ جو اختلاف اور تُو تُو مَیں مَیں کا نقشہ آج علماء کے اندر دیکھا جاتا ہے۔ وہ عوام میں نہیں۔ پس ہم کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں۔

پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ سب علماء نے حضرت مرزا صاحب کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ بہت ہیں جنھوں نے آپ کو قبول کیا۔ اور آپ کے خادموں میں داخل ہو گئے۔ پس کیا وجہ ہے۔ کہ ہم ان علماء کے تو پیچھے چلیں جنھوں نے حضرت مرزا صاحب کو قبول نہیں کیا۔ لیکن جنھوں نے آپکی اطاعت اختیار کی۔ ان کو بالکل نظرانداز کر دیں۔ آخر جنہوں نے مانا۔ وہ بھی تو علماء ہی ہیں +

معیار ششم چھٹا معیار صداقت جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

من اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذباً او کذب بایاتہ۔ انہ لا یفلح الظالمون۔ (پارہ ۷، رکوع ۹) یعنے اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو اللہ پر افترا باندھے (یعنی اس کو خدا نے الہام نہ کیا ہو۔ اور وہ کہے کہ خدا نے مجھے الہام کیا ہے) اور نیز اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے۔ سن رکھو کہ ظالم کبھی بامراد نہیں ہوتے "

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے کسی مدعی ماموریت کی صداقت کو پرکھنے کا ایک ایسا واضح معیار بتایا ہے کہ جو جھوٹے اور سچے کے درمیان صاف فرق کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے آنے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ تو یہ دعویٰ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ مدعی جھوٹا ہے۔ اور اللہ پر افترا کرتا ہے۔ تو اس صورت میں خدا کے فیصلہ کے مطابق وہ ظالم ترین ہے۔ اور یا وہ سچا ہے۔ اور واقعی اللہ تعالےٰ نے اُسے مخلوق کی ہدایت کے لئے مامور کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کا انکار کرنے والے اللہ کی آیات کا انکار کر کے ظالم ترین ٹھہرتے ہیں۔ یعنی یا تو مدعی ماموریت ظالم ہے۔ اور یا پھر اس کا انکار کرنے والے ظالم ہیں۔ دونو میں سے ایک ظالم ضرور ہے۔ لیکن اب فیصلہ کون کرے۔ کہ ظالم کون ہے اور حق پر کون ہے۔ اسکے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ انہ لا یفلح الظالمون۔ یعنی جب مدعی یا اسکے منکرین میں سے ایک ضرور ہی ظالم ہے۔ تو اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ کون ظالم ہے۔ ہم اپنی درگاہ سے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ظالم کبھی اپنی مراد کو نہیں پہونچیگا۔ بلکہ وہ اپنی مراد میں ناکام رہے گا۔ پس اگر مدعی اپنی مراد کو پہونچ جائے۔ تو جان لو کہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اسکے منکر ظالم ہیں۔ اور اگر وہ اپنی مراد کو نہ پہونچے۔ بلکہ اس کے منکر کامیاب ہو جاویں۔ تو سمجھو کہ وہ جھوٹا اور اس کا انکار کرنے والے

سچے ہیں۔ دیکھئے یہ معیار صداقت کیسا صاف اور واضح ہے۔ خدا کہتا ہے کہ اگر کوئی مجھ پر افترا باندھیگا۔ تو وہ کبھی اپنی مراد کو نہیں پہونچیگا۔ بلکہ نامُراد رہیگا۔ اور اگر وہ حق پر ہے۔ اور خدا نے واقعی اس کو مصلح بنا کر مبعوث کیا ہے۔ تو اسکے مخالف اپنے ارادوں میں ناکام رہینگے۔ یہ ہے اس آیت کا ترجمہ اور مطلب۔ جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔ اور جو خدا نے بطور ایک معیار صداقت کے قرآن شریف میں بیان فرمائی ہے۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس معیار کے مطابق حضرت مرزا صاحب صادق ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟

سو جاننا چاہیئے۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو آپ اکیلے تھے۔ اور بجز چند گنتی کے دوستوں کے ساری دنیا آپ کے مخالف تھی۔ اسوقت آپ نے یہ کہا۔ کہ خدا مجھ کو ایک بڑی جماعت دیگا۔ اور گو دنیا مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ مگر میں اپنی مُراد میں کامیاب ہوں گا۔ اور میرے مخالف ناکام رہینگے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو الہام میں فرمایا جو آپ نے اسی وقت دُنیا میں شایع کیا کہ :-

I will give you a large party of Islam

یعنی میں تجھے اسلام کی ایک بڑی جماعت دُونگا۔ پھر فرمایا:-

"دُنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اس کو قبول نکیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" پھر فرمایا:-

"فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔" یعنی وقت قریب آگیا ہے۔ کہ تیری مدد کی جائے اور تیرا نام دنیا میں شہرت پا جاوے۔ پھر فرمایا:- "یاتون من کل فج عمیق۔" یعنی لوگ دور دراز سے تیرے پاس آوینگے۔ ان الہامات سے ظاہر ہے۔ کہ خدا کے قول کے مطابق حضرت مرزا صاحب نے اپنے شروع دعوےٰ میں یہ مراد بیان کی کہ خدا مجھے ایک بڑی اسلامی جماعت دیگا۔ اور گو لوگ میری سخت مخالفت کرینگے۔ مگر اللہ تعالےٰ میری تائید میں ایسے زبردست نشان دکھلائے گا۔ جن سے میری سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ اور یہ کہ میرا نام تمام اکناف عالم میں شہرت پا جائے گا۔ اور دور دراز ملکوں سے میرے پاس لوگ آوینگے۔ اس کے مقابل میں مخالفین کی کوشش کیا تھی؟ یہی نہ کہ یہ شخص اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔ اور کوئی شخص

اس کا مرید نہ ہو۔ اور یہ ذلت اور گمنامی کی حالت میں پڑا رہے۔ اور اسکے پاس کوئی نہ جاوے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کون اپنی مُراد کو پہونچا۔ جو مُراد کو پہونچا۔ وہ حق پر ہوگا۔ اور جو اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ وہ بموجب فیصلۂ الٰہی ظالم ہوگا۔

حضرت مرزا صاحب نے جب اپنا دعوےٰ لوگوں میں شایع کیا۔ تو سوائے چند دوستوں کے آپکے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اور آپ ایک چھوٹے سے گاؤں میں نہایت گمنامی کی حالت میں رہتے تھے۔ اور مہینوں گذر جاتے تھے۔ اور باہر سے کوئی آپ سے ملنے نہ جاتا تھا۔ دعوےٰ کے شایع ہونے پر ہندوستان میں ایک کنارہ سے لیکر دوسرے کنارہ تک مخالفت کا وہ طوفان بے تمیزی اٹھا کہ الاماں! تمام بڑے بڑے مولویوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگائے۔ اور آپکو اسلام سے خارج قرار دیا۔ اور آپکے ساتھ ملنے اور آپ سے بات کرنے کو بھی موجب کفر بیان کیا۔ اور آپ کو اور آپکے متبعین کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا۔ اور اسبات کی سرتوڑ کوشش کی۔ کہ کوئی شخص آپ کی جماعت میں داخل نہ ہو۔ قادیان کی طرف جو راستہ جاتا ہے۔ اسپر آدمی بٹھلائے۔ جو لوگوں کو آپ کی طرف جانے سے روکیں۔ لوگوں کی طبیعت پر اثر ڈالنے کے لئے مکہ اور مدینہ سے بھی کفر کے فتوے منگائے۔ پھر یہیں تک نہیں۔ بلکہ آپ پر جھوٹے مقدمات قائم کئے۔ تا کسی طرح آپ کو صفحۂ دنیا سے میٹ دیا جاوے۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ وہ جو قادیان کے ایک گوشہ میں گمنامی اور تنہائی کی حالت میں پڑا تھا۔ وہ اپنی موت سے پہلے پہلے ساری دنیا میں مشہور ہوا۔ وہ جو خدا کا فرمان لیکر اکیلا دنیا میں اُٹھا تھا۔ وہ باوجود سخت مخالفت کے اپنے مرنے کے وقت چار لاکھ جان نثار انسانوں کا امام تھا۔ وہ جسکے ملنے کے لئے کبھی کوئی شخص باہر سے نہ آتا تھا۔ اُسنے اپنی زندگی میں یہ حالت دیکھ لی۔ کہ نہ صرف ہندوستان کے مختلف کناروں سے اسکے پاس لوگ آئے۔ بلکہ افریقہ عرب۔ شام۔ ترکی۔ یورپ اور امریکہ سے بھی ملنے کے لئے لوگ آئے۔ اور اسکی باتوں سے فائدہ اُٹھایا۔ اسی نعمت الٰہی کو دیکھ کر تو حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

زمینِ قادیاں اب محترم ہے ✻ ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے۔

مخالفوں نے کوشش کی کہ یہ اکیلا اُٹھا ہے۔ اکیلا ہی دنیا سے جاوے۔ مگر باوجود ان کی سرتوڑ کوشش کے وہ اپنے ارادوں میں نامراد رہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی

زندگی میں ہی چار لاکھ وفادار انسانوں کی جماعت دی۔ جو اب تو اور بھی بہت ترقی کر چکی ہے۔ پھر
مخالفوں نے کوشش کی کہ یہ شخص ذلت اور رسوائی اور گمنامی کی حالت میں رہا۔ اور اسی حالت میں
مرے۔ لیکن اس کا نام ماہتاب کی طرح دنیا پر چمکا۔ مخالفوں نے کوشش کی کہ اسکے پاس کوئی نہ
جاوے۔ اور اس سے کوئی نہ ملے۔ اور اسکے لئے انہوں نے اسکے راستہ میں آدمی بٹھائے مگر
خدا کے وعدہ کے موافق وہ ناکام رہے۔ اور دور دراز ملکوں سے اس کے پاس لوگ آئے
اور اس سے برکت پائی۔ پس وہ ہر طرح بامراد ہوا۔ اور اسکے مخالفوں کو نامرادی کا منہ دیکھنا
پڑا۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی۔ کہ اسنے خدا پر افترا نہ کیا تھا۔ بلکہ وہ خدا کے بلانے
سے بولتا تھا۔ اور خدا نے خود اسے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا تھا۔ ورنہ کیا وجہ ہے
کہ ہر ایک بات میں وہی کامیاب ہوا۔ اور اسکے مخالف اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ کیوں
اس کے خلاف خدا نے ان جبہ پوشوں کی مدد نہ کی۔ آخر کوئی بات تھی۔ تبھی نہ۔ غرض یہ معیار بھی
حضرت مرزا صاحب کو اس صفائی کے ساتھ سچا ثابت کر رہا ہے۔ کہ کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ
غور کرنے والا آپکے متعلق شک وشبہ میں نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ جب ایک مدعی
دعویٰ کرتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ یا وہ سچا ہو گا۔ اور یا اسکے مخالف حق پر ہونگے۔ پس ان ہر دو
فریقوں میں سے جو اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائے۔ جان لو کہ وہی سچا ہے۔ کیونکہ انہ لا
یفلح الظالمون۔ جو ظالم ہے۔ وہ بامراد نہیں ہوتا۔ آہ! کیا اس زمانہ کے لوگوں کے سامنے کا واقع
نہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب اکیلے دنیا میں اٹھے۔ اور دنیا کو للکارا کہ مجھے خدا نے دنیا کی اصلاح
کے لئے بھیجا ہے۔ وہ اس کام کے لئے مجھے ایک بڑی جماعت دیگا۔ اور میری مدد فرمائے گا
اور دور دراز سے میرے پاس لوگ آئینگے۔ اور مجھ سے برکت پائینگے۔ دنیا نے اس کی مخالفت
کی۔ اور چاہا کہ یہ اکیلا ہے اسے کچل ڈالیں۔ مگر وہ اکیلا نہ تھا۔ اس کے ساتھ خدا تھا۔ اس لئے
اُسنے اپنی مرادیں پائیں۔ اور دشمن ذلیل وخوار ہوئے۔ اس نے کہا کہ میرے ہاتھ سے ایک بیج بویا
گیا ہے۔ اب وہ بڑھیگا اور پھولیگا اور پھلیگا۔ اور کوئی نہیں جو اسکو روک سکے۔ پس وہ بڑھا اور
پھولا اور پھلا۔ اور اب بھی بڑھ اور پھول پھل رہا ہے۔ اور کوئی اُسے روک نہیں سکا۔ دنیا نے
چاہا کہ اسکے لگائے ہوئے پودے کو اکھیڑ کر پھینک دے۔ لیکن جس کسی نے اس کام کے لئے

بڑھایا۔ وہ خود جڑ سے کاٹا گیا۔ اور خدا کا فرمان پورا ہو کر رہا۔ کہ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی۔ اسجگہ ممکن ہے کسی شخص کو یہ وہم گذرے کہ مرزا صاحب نے تو اپنی بعثت کی غرض یہ بیان کی ہے۔ کہ دنیا میں سب اسلام پھیل جاوے۔ اور تمام سعید روحیں ایک جگہ ایک مذہب پر جمع ہو جاویں۔ اور اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب نہایت کمزوری کی حالت میں ہو جائیں۔ اور ان کا زور بالکل ٹوٹ جاوے۔ اس لئے چونکہ یہ سب کچھ مرزا صاحب کی زندگی میں نہیں ہوا۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ وہ اپنی مراد کو نہیں پہونچے۔ مگر یہ وہم نہایت بودا ہے۔ کیونکہ ایک تو کسی مامور کی بعثت کی انتہائی غرض ہوتی ہے۔ اور ایک اسکی اپنی زندگی میں پوری ہونے والی باتیں ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ہر ایک مامور اپنی بعثت کی انتہائی غرض کے لحاظ سے صرف ایک بیج بوتا ہے۔ جو کچھ تو اس کی زندگی میں مگر زیادہ تر اس کے بعد بڑھتا اور پھلتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی انتہائی غرض واقعی وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی۔ مگر ان سب باتوں کا ظہور حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں مقدر نہ تھا۔ بلکہ یہ وعدے انشاء اللہ آپ کی جماعت کے ہاتھ سے اپنے وقت پر پورے ہوں گے۔ اور ہو رہے ہیں۔ جسطرح دیکھو نبی کریم کی بعثت کی انتہائی غرض کیا تھی؟ قرآن شریف فرماتا ہے۔ لیکون للعالمین نذیرا۔ یعنے ہم نے رسول کو بھیجا ہے۔ تا وہ تمام جہان کو ڈرائے۔ اسی طرح فرمایا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ یعنے ہم نے اس رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے۔ تا وہ اسلام کو باقی سب دینوں پر غالب کر دے۔ اسی قسم کی اور بھی کئی آیات ہیں مگر دیکھئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فوت ہوئے آج تیرہ سو (۱۳۰۰) سال ہوتے ہیں۔ مگر کامل طور پر ان آیات کا مفہوم ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور نبی کریم ؐ کی زندگی میں تو بہت ہی کم حصہ اس غرض کا پورا ہوا تھا۔ کیا آپ نے اپنی زندگی میں تمام جہان کو ڈرا دیا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اسوقت دنیا میں بے شمار ایسی اقوام موجود تھیں۔ جن تک آپ کا آپ کی زندگی میں نام تک نہیں پہونچا۔ کیا آج کل بھی ساری دنیا کو آپ کا نام پہونچ چکا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کا سب مذاہب کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ ہرگز نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعثت کی انتہائی غرض جو ہوتی ہے۔ وہ مامور کی زندگی میں پوری نہیں ہوا کرتی۔ ہاں اسکی

بنیاد رکھی جایا کرتی ہے۔ اور وہ یہاں بھی رکھ دی گئی ہے۔ بلکہ اسکے پورا ہونے کے آثار بھی ظاہر ہیں۔ جس کی آنکھیں ہوں۔ دیکھے ٭

معیارِ ہفتم ساتواں معیار صداقت قرآن شریف یہ بیان کرتا ہے کہ۔ لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ (پارہ ۲۹- رکوع ۶)

یعنی اگر یہ رسول ہم پر کوئی بات بنالیتا (ہم نے اسکو نہ کہا ہوتا۔ اور یہ ہماری طرف منسوب کر دیتا) تو ہم اُسے داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ اور پھر اسکی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔ اور اُسے کوئی بھی بچا سکتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ گر بتایا ہے کہ اللہ پر افترا کرنے والا شخص جسکو اللہ نے مصلح بنا کر نہیں بھیجا۔ مگر وہ کہتا ہے کہ خدا نے اپنے الہام سے مجھ کو بھیجا ہے۔ کبھی مہلت نہیں پاتا۔ بلکہ اس کو اللہ تعالےٰ جلد ہلاک کر دیتا ہے۔ اور ایسا شخص قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا پر جھوٹ باندھ کر بھی انسان مہلت پا جاوے۔ اور ہلاک و تباہ نہ ہو۔ تو ہی دنیا سے امان اُٹھ جاوے۔ اور جھوٹے اور سچے میں تمیز نہ رہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ جو خدا پر افترا کرتا ہے۔ جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کو مہلت ہی نہیں دیجاتی۔ کہ وہ لوگوں کو خدا کا نام لیکر گمراہ کرتا پھرے۔ دنیا میں دیکھ لیجئے۔ اگر کوئی شخص واقعی گورنمنٹ کا عہدہ دار نہ ہو۔ اور لوگوں کے سامنے ظاہر کرے۔ کہ میں گورنمنٹ کا عہدہ دار ہوں۔ مثلاً چھوٹا تحصیلدار بنکر معاملہ یا لگان وصول کرتا پھرے۔ تو ایسے آدمی کو گورنمنٹ فوراً گرفتار کرکے سخت عبرتناک سزا دیگی۔ تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص گورنمنٹ کی طرف سے کوئی بھی عہدہ دار نہیں بنتا۔ بلکہ ویسے ہی لوگوں کو ٹھگتا ہے۔ تو ایسے شخص کی طرف گورنمنٹ اس سختی اور جلدی سے ساتھ توجہ نہ کریگی۔ یہی حال خدائی سلطنت کا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے عہدہ دار بنکر لوگوں کو گمراہ کرتا پھرتا ہے۔ تو ایسے شخص کو خدا فوراً پکڑتا ہے۔ اور جلد ہلاک کر دیتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو امان اُٹھ جاوے۔ اس واسطے اللہ تعالےٰ نے نبی کریم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بیان کی ہے۔ کہ اے لوگو! سوچو کہ اگر اس نے واقعی مجھ پر افترا کیا ہوتا۔ تو کیا میں اسے اتنی مدت یونہی چھوڑ دیتا۔ نہیں بلکہ یہ تو کبھی کا

ہلاک کیا جا چکا ہوتا۔ کیونکہ جو مجھ پر افترا باندھے۔ میں اس کو سختی کے ساتھ پکڑتا ہوں اور اس کی رگِ جان کاٹ دیتا ہوں۔ پس نبی کریم کا اپنے دعوے کے بعد اتنی مدت تک ہلاک نہ ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ وہ جھوٹے نہ تھے۔ بلکہ اللہ کی طرف سے تھے۔ ناظرین پھر آیت کریمہ کے الفاظ پر نظر ڈالیں۔ خدا نے کیسا صاف اور موٹا معیار صداقت کا پیش کیا ہے جو ہر ایک شخص باسانی سمجھ سکتا ہے۔ فرماتا ہے۔ لوتقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ یعنی اگر محمدؐ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ پر افترا کرتا۔ تو میں اس کو دہنے ہاتھ سے پکڑ لیتا۔ اور پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتا۔ یعنی اب تک جو مینے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنا کام کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور قتل اور ہلاک نہیں ہوا۔ تو اس سے ثابت ہوا۔ کہ مینے ہی اس کو بھیجا ہے۔ جسطرح اگر کوئی شخص گورنمنٹ کے سامنے اپنے آپکو گورنمنٹ کا عہدہ دار ظاہر کرے۔ اور لوگوں سے گورنمنٹ کا لگان والا وصول کرے۔ اور گورنمنٹ اس کو نہ پکڑے۔ تو اس سے یہ ثابت ہو گا۔ کہ وہ درحقیقت گورنمنٹ کا عہدہ دار ہے واقعی یہ دلیل جو قرآن شریف نے بیان کی ہے۔ ایک اور ایک دو کی طرح نبی کریم کی صداقت کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اور آپ کو منجانب اللہ ثابت کرتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ تو یہ آیت لوتقول علینا الخ۔ مکہ میں آپ کی بعثت کے سات آٹھ سال بعد نازل ہوئی۔ تو گویا خدا تعالےٰ نے نبی کی زندگی کے ابتدائی سات آٹھ سال کو نبی کریم کی صداقت پر دلیل گردانا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اگر یہ جھوٹا ہوتا۔ تو اتنی مہلت اسے نہ ملتی۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت کو اس وقت تک نازل نہیں فرمایا۔ جب تک نبی اکرم نے اسقدر لمبی مہلت نہیں پالی۔ جو آپ کی سچائی پر دلیل ہو سکے۔ کیونکہ اس سے پہلے نازل کرنا بالکل بے سود ہوتا۔ پس معلوم ہوا۔ کہ خدا کے نزدیک صرف سات آٹھ سال دعوے کے بعد مہلت کا مل جانا دلیل ہوتا ہے۔ اسبات پر کہ مدعی خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو اتنی مہلت نہ پاتا۔ بلکہ اس سے پہلے ہی خدا اس کی رگِ جان کاٹ دیتا۔ جیسا کہ اُسنے خود بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بعض وقت مدنی آیات بھی مکی سورتوں میں آجاتی ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ آیت مدنی ہو۔ تو گویا یہ تاریخی طور پر بھی غلط ہے۔ لیکن ہم اس کو بفرض محال مان لیتے ہیں۔ مگر

پھر بھی بہرحال مہلت پانے کا زمانہ تئیس سال سے توکسی صورت میں بھی تجاوز نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دعوے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسی قدر عرصہ زندہ رہے۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا حضرت مرزا صاحب کو بھی الہام شایع کرنے اور دعویٰ کرنے کے بعد اس قدر مہلت ملی یا نہیں ؟ سو دنیا جانتی ہے۔ کہ الہام شایع کرنے کے بعد حضرت مرزا صاحب قریباً چھبیس برس تک زندہ رہے۔ یعنی ۱۸۸۲ء کے قریب آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا دعوے کیا۔ اور اپنے الہامات شایع کئے۔ اور ۱۹۰۸ء میں آپ کی وفات ہوئی اور اس درمیانی عرصہ میں بھی آپ لگاتار اپنے الہامات شایع فرماتے رہے۔ اور اپنے دعویٰ پر تحدی کے ساتھ قائم رہے۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر حضرت مرزا صاحب خدا پر افترا کرتے تھے۔ اور ان کا دعوے نعوذ باللہ جھوٹا تھا۔ تو ان کو اس قدر لمبی مہلت کیوں ملی۔ جو تئیس سال سے بھی زیادہ ہے۔ کیا اس زمانہ میں خدا اپنے فیصلہ کو بھول گیا ؟ تعجب ہے ایک شخص اسکی طرف سے اپنے آپ کو ظاہر کرکے لوگوں کو گمراہ کرتا چلا جاوے۔ مگر وہ اس کو نہیں پکڑتا۔ کیا دعوے کے بعد حضرت مرزا صاحب کا اس قدر لمبی مہلت پانا اس بات پر یقینی ثبوت نہیں ہے۔ کہ آپ خدا کی طرف سے تھے ؟ دیکھو خدا فرماتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مجھ پر افترا باندھے۔ اور جھوٹا مدعی ماموریت بنکر لوگوں کو دھوکا دیتا پھرے۔ تو میں اس کو مہلت نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو جلد پکڑتا ہوں۔ اور ہلاک کردیتا ہوں۔ پھر نبی کریم پر یہ آیت چسپاں کرکے اس نے ہم کو یہ بھی بتادیا۔ کہ مہلت سے سات آٹھ سال کے قریب کا عرصہ مراد ہے (یا زیادہ سے زیادہ تیئس سال کا) توکیا حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ کے بعد تیئس سال سے بھی زیادہ زندہ رہنا اور ہلاک نہ ہونا اس بات کو روز روشن کی طرح ثابت نہیں کرتا۔ کہ آپ مفتری علے اللہ نہ تھے۔ یونہی خواہ مخواہ ایک شخص کو جھوٹا قرار دے دینا اور بات ہے مگر بات تو تب ہو۔ کہ قرآن شریف کی آیات اس کو جھوٹا ثابت کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مفتری علی اللہ کو جلد پکڑتا ہوں۔ اور ہلاک کر دیتا ہوں۔ مگر مرزا صاحب بقول مخالفین کے خدا پر افترا کرتے ہیں۔ اور ہر بات کو اپنی طرف سے گھڑ بناتے ہیں۔ اور صبح اٹھکر کہدیتے ہیں کہ یہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ اور لگاتار تیس سال کے قریب ایسا

کرتے رہتے ہیں۔ مگر خدا ان کو نہیں پکڑتا ہے۔ اور اپنے اس وعدہ کو بھول جاتا ہے۔ جو اس نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ آخر انصاف بھی تو کوئی چیز ہے۔ کیا حضرت مرزا صاحب کا انکار کرکے دوسرے نبیوں کو بھی چھوڑ دو گے۔ کیونکہ جو دلائل باقی نبیوں کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ وہی مرزا صاحب کو سچا ثابت کر رہے ہیں۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ جب مرزا صاحب قریباً تیس سال خدا پر افترا کرکے بچ گئے۔ اور خدا نے ان کو اس عرصہ کے اندر ہلاک نہیں کر دیا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا تیئیس سال مہلت پانا کس طرح آپ کے صدق کی دلیل ٹھہر سکتا ہے مگر قرآن شریف میں تو خدا نے تیئیس تو الگ رہے۔ سات آٹھ سال کی مہلت پا جانے کو نبی کریم کی صداقت پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ اور صاف فرمایا ہے کہ اگر یہ مفتری علی اللہ ہوتا۔ تو کبھی کا ہلاک ہو چکا ہوتا۔ اور اتنی مہلت نہ پاتا۔ تو اس صورت میں حضرت مرزا صاحب کا اسقدر لمبی مہلت پا جانا آپ کی صداقت پر دلیل ٹھہرایا نہیں؟ آہ! افسوس قرآن شریف نے کھول کھولکر بیان کیا مگر دنیا نہیں دیکھتی۔ اور حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں ان باتوں کو چھوڑ رہی ہے جنکو چھوڑ کر اور نبیوں کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ بلکہ خود خاتم النبیین کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ جھوٹے ہیں۔ اور انہوں نے خدا پر افترا کیا تھا۔ تو پھر یہ دلیل غلط ٹھہری۔ کہ مفتری علے اللہ کو اللہ تعالےٰ جلد پکڑتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اُسے ہرگز کبھی لمبی مہلت نہیں دیتا۔ تو پھر کیوں اس دلیل کو خدا نے قرآن شریف میں نبی کریمؐ کی صداقت میں بیان فرمایا ہے؟ ہائے افسوس مرزا صاحب کی مخالفت نے ہمارے مسلمان بھائیوں کو کیسا اندھا کر رکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل کو رد کر رہے ہیں۔ سچ ہے۔ جب انسان ایک سچائی کو چھوڑتا ہے۔ تو پھر اُسے اور بھی کئی سچائیوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

قرآن شریف کس طرح کھول کھول کو حضرت مرزا صاحب کی سچائی ثابت کر رہا ہے مگر یحسرۃ علے العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن۔ افسوس لوگوں پر۔ کوئی بھی تو اللہ کی طرف سے رسول ایسا نہیں آیا۔ جس کی لوگوں نے مخالفت نہ کی ہو۔ اور جسکی باتوں کو ہنسی اور ٹھٹھے میں نہ اڑایا ہو۔ اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کو تھوڑی بہت عقل دی ہے۔ آخر غور تو کرنا چاہیئے۔ کہ کیا مرزا صاحب کی صداقت کے دلائل ہم نے اپنی طرف سے قرآن شریف میں

داخل کر دئے ہیں۔ کیا جو آیات حضرت مرزا صاحب کو سچا ثابت کر رہی ہیں۔ وہ محمد رسول اللہ پر نازل نہیں ہوئیں۔ اور کیا وہ قرآن پاک کا حصہ نہیں؟

معیار ہشتم آٹھواں معیار صداقت اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

فلا یظہر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول (سورۃ جن)

یعنے اللہ تعالےٰ مصفا غیب پر کسی کو کثرت کے ساتھ مطلع نہیں کرتا۔ مگر اسی کو جس کو وہ رسول بنا کر چن لیتا ہے" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے۔ کہ مصفا غیب یعنی ایسا غیب جس کا علم خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہو۔ جیسا کہ لفظ غیبہٖ سے ظاہر ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مطلق غیب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ جو ہر ایک غیب پر بولا جا سکتا ہے۔ بلکہ غیبہٖ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جو صرف ایسے غیب پر بولا جائے گا۔ جس کا علم اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہو۔ یعنی وہ قیاس وغیرہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ بلکہ اس کا معلوم کرنا حالات موجودہ کے ماتحت انسانی علم سے بالاتر ہو) کثرت کے ساتھ صرف رسولوں کو ہی دیا جاتا ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ کثرت کا مفہوم کہاں سے نکلا۔ کیونکہ ایسا لفظ تو بظاہر آیت میں موجود نہیں۔ سو اس کے لئے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ عربی زبان میں جب اظہر کے ساتھ علیٰ کا صلہ آوے۔ تو اسکے معنے غالب کر دینے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ (سورۃ توبہ)

یعنے اللہ نے اپنا رسول بھیجا ہے۔ ہدایت اور دین حق کے ساتھ۔ تا وہ اسے باقی تمام دینوں پر غالب کر دکھائے"۔ پس آیت زیر بحث کے اصل معنی یہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ مصفا غیب پر کسی کو غلبہ نہیں دیتا۔ مگر اُسے جسکو چن لیتا ہے رسول بنا کر۔ اور ظاہر ہے۔ کہ غیب پر غلبہ دینے کے یہی معنے ہو سکتے ہیں۔ کہ کثرت کے ساتھ غیب پر مطلع کیا جاوے۔ ورنہ کلی طور پر تو غیب کا مستقل علم کسی بشر کو ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم کے متعلق فرمایا:۔ قل لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ غرض اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مصفا غیب پر کثرت کے ساتھ صرف رسولوں کو ہی اطلاع

دیجاتی ہے۔ گو دوسروں کو بھی گاہے گاہے سچے خواب آجائیں۔ یا کوئی الہام ہو جاوے
مگر کثرت کا مفہوم صرف رسُولوں میں ہی پایا جاتا ہے۔

اب ہم اس اصول کے ماتحت حضرت مرزا صاحب کی صداقت کو پرکھتے ہیں۔ تو صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت کے ساتھ آپ کو اُمور غیبیہ پر اطلاع دی گئی۔ اور آپ کی سینکڑوں پیشگوئیاں کمال صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں۔ مگر اس نہایت مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ان سب کو یہاں بیان کیا جاوے حضرت مرزا صاحب کی مختلف تصانیف میں مختلف مقامات پر ان کا مفصل ذکر موجود ہے۔ شوق رکھنے والے ناظرین ضرور ان کا مطالعہ کریں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ کلام میں حضرت مرزا صاحب پر آئندہ زمانہ کے حالات کشف کئے۔ اس رسالہ میں آپ کی صرف چند پیشگوئیوں کو مختصراً بیان کئے دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین اس بات کا اندازہ لگا سکیں۔ کہ حضرت صاحب کی پیشگوئیاں کس شان و شوکت سے نکلیں۔

سو واضح ہو۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو قریباً ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہُوا تھا کہ:۔ یاتون من کل فج عمیق ولا تصعر لخلق اللّٰہ ولا تسئم من الناس (براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۲) یعنے تیرے پاس دنیا کے دور دراز رستوں سے لوگ آئینگے۔ اسوقت مخلوق خدا سے اپنا منہ نہ پھیریو۔ اور لوگوں کی کثرت آمد سے تھک نہ جائیو۔ حضرت مرزا صاحب کا یہ الہام اس وقت کا ہے۔ جب آپ نے ابھی کوئی دعویٰ وغیرہ نہ کیا تھا۔ بلکہ قادیان کے ایک گوشہ تنہائی میں گمنامی کی حالت میں اپنے دن گذارتے تھے۔ اور کوئی آپ کو نہ جانتا تھا۔ حتیٰ کہ بوجہ آپکی خلوت پسند طبیعت کے خود قصبہ قادیان کے بعض باشندوں کی نظر سے آپ پوشیدہ تھے۔ اور باہر سے تو کوئی شخص آپ کے ملنے کے لئے نہ آتا تھا۔ اور قادیان کے نام سے بھی بیرونی دنیا ناواقف تھی۔ اسوقت اللہ تعالیٰ جو غیبوں کو جانتا ہے۔ اس نے آپکو خبر دی۔ کہ دنیا کے مختلف کناروں سے تیرے پاس لوگ آئینگے۔ اور اس کثرت سے آئینگے کہ اگر کوئی معمولی آدمی ہو۔ تو ان کی کثرت سے تھک جاوے۔ سو دیکھ لو کہ ایسا ہوا یا نہیں؟ ذرا تعصب سے الگ ہو کر غور کرو۔ کہ ایک شخص ایک نہایت گمنام گاؤں میں گوشہ تنہائی میں

بے یارومددگار پڑا ہوا ہے۔ اور وہ اس حالت میں خدا سے الہام پاکر اعلان کرتا ہے کہ وقت آتا ہے۔ جب بے مجھے ملنے کے لئے دُنیا کے دور دراز رستوں سے چلکر لوگ میرے پاس آئینگے۔ پھر اس اعلان کے چند سال بعد کیا ہوتا ہے؟ وہ ایک ایسا دعویٰ شایع کرتا ہے کہ جس سے سارے ملک میں ایک آگ لگ جاتی ہے۔ اور اسکے خلاف ایک ایسا طوفان بے تمیزی برپا ہوتا ہے۔ کہ خدا کی پناہ! اور اس کے جو دو چار تعلقدار تھے۔ وہ بھی اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے رشتہ دار بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور دنیا ناخنوں تک زور لگاتی ہے کہ وہ ذلت اور گمنامی اور ناکامی کی حالت میں اس جہان سے رخصت ہو۔ اور اس کی طرف جانے سے لوگوں کو روکا جاتا ہے۔ اور اس کے ملنے والوں کو طرح طرح کی تکالیف میں ڈالا جاتا ہے۔ مگر باوجود اسکے آخر کار خدا کا فرمان پورا ہو کر رہتا ہے اور دُنیا کے دور دراز ملکوں سے لوگ اس کے ملنے کے لئے آتے ہیں۔ اور اس کثرت سے آتے ہیں۔ کہ اگر وہ پہلے سے ہی متنبہ نہ کر دیا جاتا۔ تو شاید وہ لوگوں کی کثرت سے تھک ہی جاتا اس نشان کے پورا ہونے کا حضرت مرزا صاحب یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

”اس پیشگوئی کو خوب سوچنا چاہیئے۔ اور خوب غور سے سوچنا چاہیئے۔ کہ اگر یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے پیشگوئی نہ ہوتی۔ تو یہ طوفان مخالفت جو اُٹھا تھا۔ اور تمام پنجاب اور ہندوستان کے لوگ مجھ سے ایسے بگڑ گئے تھے۔ جو مجھے پیروں کے نیچے کچلنا چاہتے تھے۔ ضرور تھا کہ وہ لوگ اپنی جان توڑ کوششوں میں کامیاب ہو جاتے اور مجھے تباہ کر دیتے۔ لیکن وہ سب کے سب نامراد رہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ ان کا اسقدر شور اور میرے تباہ کرنے کے لئے اسقدر کوشش اور یہ پُر زور طوفان جو میری مخالفت میں پیدا ہوا۔ یہ اسلئے نہیں تھا کہ خدا نے مجھے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ بلکہ اس لئے تھا کہ خدا تعالیٰ کی شان ظاہر ہو۔ اور تا خدائے قادر جو کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کے مقابل اپنی طاقت اور قوت دکھلاوے اور اپنی قدرت کا نشان ظاہر کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ کون جانتا تھا۔ اور کس کے علم میں یہ بات تھی۔ کہ جب کہ میں ایک چھوٹے سے بیج کی طرح بویا گیا

اور بعد اسکے ہزاروں پیروں کے نیچے کچلا گیا۔ اور آندھیاں چلیں۔ اور طوفان آئے اور ایک سیلاب کیطرح شور بغاوت میرے اس چھوٹے سے تخم کے اُوپر پھر گیا۔ پھر بھی میں ان صدمات سے بچ جاؤں گا؟ سو وہ تخم خدا کے فضل سے ضائع نہ ہُوا۔ بلکہ بڑھا اور پھُولا۔ اور آج وہ ایک بڑا درخت ہے جسکے سایہ کے نیچے تین لاکھ انسان آرام کرتا ہے۔ یہ خدائی کام ہیں۔ جن کے ادراک سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں۔ اے لوگو! کبھی تو خدا سے شرم کرو! کیا اسکی نظیر کسی مفتری کی سوانح میں پیش کر سکتے ہو؟"

غرض باوجود ہزاروں قسم کی روکوں کے یہ پیشگوئی کمال صفائی کے ساتھ پوری ہوئی۔ اور قادیان مرجع خلائق ہو کر رہا۔ کیا ایک مفتری انسان آئندہ زمانہ کی خبر اس صفائی کے ساتھ بتا سکتا ہے۔ اور خبر بھی وہ خبر جسکے پورا ہونے کے راستہ میں ہزاروں لاکھوں قسم کی روکیں حائل ہوں۔

پھر اسی براہین احمدیہ میں آپ کا یہ الہام درج ہے کہ شاتان تذبحان و کل من علیہا فان۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم) یعنے دو بے گناہ آدمی جبراً قتل کئے جائینگے۔ مگر غم نہ کرو کیونکہ دنیا میں جو ہے۔ اُس نے آخر مرنا ہے۔" الہام الٰہی میں جو بے گناہ و بے ضرر آدمی کے لئے شاۃ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ اس میں بھی ایک بھید ہے۔ کیونکہ شاۃ کے معنے بکری کے ہیں۔ اور بکری چونکہ ایک نہایت بے ضرر جانور ہے۔ اور اپنے بچاؤ کا کوئی ظاہری سامان نہیں رکھتا۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کرنے والے کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس لئے عالم کشف و رؤیا میں شاۃ کی تعبیر بے ضرر اور بے گناہ انسان ہُوا کرتی ہے۔ تو گویا اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے کئی سال پہلے آپ کو الہام کیا۔ کہ آپ کے ساتھ تعلق رکھنے والے دو بے ضرر و بیگناہ انسان سختی کے ساتھ پکڑ کر قتل کئے جائینگے۔ اور پھر اسکے آگے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ دنیا جائے فانی ہے۔ سب نے آگے پیچھے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ یہ تسلی دینا ظاہر کرتا ہے۔ کہ مقتول مخاطب کے متعلقین میں سے ہونگے۔ اب دیکھو بظاہر اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے ہندوستان میں دعوے کیا۔ اور ہندوستان خدا کے فضل سے ایک ایسی حکومت کے ماتحت ہے۔ جو کسی

کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتی۔ اور نہایت امن پسند ہے۔ اور ملک میں ہر طرح کا امن
قائم رکھتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو غیبوں کو جانتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ حضرت مرزا صاحب
کی جماعت کے دو معزز اشخاص بالکل بے جرم سختی کے ساتھ قتل کر دئیے جائینگے۔ چنانچہ جیسا کہ سب
جانتے ہیں۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کا چرچا ہوا۔ تو ملک افغانستان میں بھی
بہت سعید الفطرت لوگوں نے آپ کو قبول کیا۔ ان سب میں سے خاص طور پر ممتاز صاحبزادہ
مولوی عبداللطیف صاحب تھے۔ جن کے کئی ہزار مرید تھے۔ اور جو اپنی دنیاوی وجاہت کے
لحاظ سے بھی اتنی بزرگی رکھتے تھے۔ کہ امیر حبیب اللہ خان کی تاجپوشی کے موقعہ پر انہوں نے
ہی امیر کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ اور وہ امیر کے بڑے معتمد علیہ لوگوں میں سے تھے۔
انہوں نے جب سنا۔ کہ قادیان میں حضرت مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعوےٰ کیا
ہے۔ تو انہوں نے اپنے معتبر شاگرد مولوی عبدالرحمن خان کو بھیجا۔ تاکہ وہ پنجاب میں آکر
حضرت مرزا صاحب کے متعلق پوری تحقیقات کرے۔ چنانچہ مولوی عبدالرحمن خان یہاں آکر
اور احمدی ہو گئے۔ اور وہاں پر جا کر صاحبزادہ صاحب سے بیان کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا
دعویٰ ہر طرح سچا معلوم ہوتا ہے۔ مگر امیر کابل کو عبدالرحمن خان کے احمدی ہونے کا
علم ہو گیا۔ اور اس نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اس کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ
وہ مظلوم بکری کی طرح ظالموں کے ہاتھ سے بے گناہ مارا گیا۔ مگر اُس نے حق کو نہ چھوڑا
پھر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو خود قادیان میں آنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ کسی
طرح امیر سے رخصت لیکر افغانستان سے باہر نکلے۔ اور قادیان پہونچے۔ یہاں آکر انہوں
نے حضرت مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ اور سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ جب وہ ملک افغانستان
میں واپس گئے۔ تو ان کو امیر نے سختی کے ساتھ پکڑا۔ اور کابل کے قاضی نے ان پر کفر کا
فتوےٰ لگایا۔ جسکی وجہ سے وہ قید خانہ میں ڈالے گئے۔ اور ان کو طرح طرح کی تکالیف میں
ڈالا گیا۔ دوران قید میں کئی دفعہ امیر نے خود کہا کہ دیکھو تم احمدیت سے توبہ کرلو۔ لیکن انہوں نے
یہی جواب دیا کہ میں نے جو حق پایا ہے۔ اُسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ بالآخر امیر نے ان کے
سنگسار کئے جانے کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب کے ناک میں سوراخ کر کے

رسی ڈالی گئی۔ اور ان کو شہر کے باہر ایک بڑے میدان میں لیجا کر کمر تک زمین کے اندر گاڑ دیا
دیا گیا۔ اس کے بعد پھر امیر ان کے پاس آیا۔ اور کہا کہ اب بھی اگر توبہ کرلو۔ تو میں آپ کو پہلے سے
بھی زیادہ معزز بنا دوں گا۔ لیکن انہوں نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ کہ جب ایک
شخص کی سچائی میرے اوپر کھل چکی ہے۔ اور مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے
ہے۔ تو میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جان کو ایمان پر مقدم نہیں رکھ سکتا۔ اسپر امیر
نے پتھراؤ کا حکم دیا۔ چنانچہ اس مظلوم نے اسطرح پتھروں کی بوچھاڑ کے نیچے جان دی
اور ایسی استقامت دکھائی۔ کہ ایک آہ بھی اسکے منہ سے نہ نکلی۔ اب دیکھو کہ کسطرح خدا کا
وہ فرمان پورا ہوا۔ کہ احمدی جماعت کے دو بے ضرر انسان زبردستی پکڑ کر بے جرم قتل کئے
جاوینگے۔ ناظرین اپنی جگہ انصاف سے سوچیں۔ کہ کیا کسی بشر کو یہ طاقت ہے کہ بیس پچیس سال
پہلے اس صفائی کے ساتھ آیندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دے ؛

پھر ابھی ہندوستان میں طاعون کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت
مرزا صاحب کو اس کے ہندوستان میں پھیلنے سے اطلاع دی۔ پھر ابھی ہندوستان کے ایک دو
شہروں میں ہی اس کے کیس ہوئے تھے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے دیکھا۔ کہ پنجاب کے
مختلف شہروں میں چھوٹے چھوٹے سیاہ پودے کثرت کے ساتھ لگائے جا رہے ہیں۔ اور
جب آپنے خواب ہی میں دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ تو جواب ملا۔ کہ یہ طاعون کے پودے
ہیں۔ پھر آپ کو الہام ہوا۔ کہ الامراض تشاع والنفوس تضاع۔ یعنے بیماریاں بہت
پھیلیں گی۔ اور جانیں ضائع ہونگی۔ چنانچہ اس کے بعد نہایت شدت کے ساتھ طاعون
پنجاب کے مختلف شہروں میں پھوٹا۔ اور لاکھوں آدمی ہلاک ہوئے نادر ہو رہے ہیں
اسی ضمن میں آپنے یہ بھی پیشگوئی فرمائی۔ کہ طاعون سے احمدی جماعت کے لوگ نسبتاً بالکل
امن میں رہینگے۔ چنانچہ مشاہدہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس مہلک عذاب سے احمدی سوائے شاذ و
نادر کے امن میں رہے۔ اور اس نشان کو دیکھ کر ہزاروں لوگ حضرت مرزا صاحب کی جماعت
میں داخل ہوئے۔ بعض جگہ تو ایسا ہوا کہ گاؤں کا بیشتر حصہ طاعون سے تباہ ہو گیا۔ مگر
احمدی بالکل محفوظ رہے۔ پھر طاعون کے متعلق حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ: انی احافظ کل من فی الدار ۔ یعنی جو تیری چار دیواری کے اندر ہیں۔ میں ان کی حفاظت کروں گا۔ چنانچہ اس الہام کے بعد قادیان میں بھی طاعون پڑی۔ (گو ایسی کبھی نہیں پڑی کہ گاؤں کو ہی تباہ کردے۔ جیسا کہ اور اکثر جگہ ہوا۔ کیونکہ اسکے متعلق بھی حضرت صاحب کا الہام تھا کہ تباہ کردینے والی طاعون قادیان میں نہیں پڑیگی) اور بعض دفعہ سخت حملے بھی ہوئے لیکن جبکہ آپ کے گھر کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے لوگ طاعون کا شکار ہورہے تھے۔ آپ کا گھر جو چاروں طرف سے دوسرے گھروں کے ساتھ ملحق ہے۔ اور جسمیں قریباً ستر اسی آدمی رہتے ہیں۔ وہ بالکل محفوظ رہا۔ اور اب تک ہے +

پھر پنڈت لیکھرام جو آریہ مذہب کا ایک بڑا لیڈر تھا۔ اسکے ساتھ جب آپکا مقابلہ ہوا تو آپنے اللہ تعالےٰ سے الہام پاکر اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ پنڈت لیکھرام چھ سال کے اندر عید کے ساتھ والے دن ہلاک کیا جائیگا۔ اور اس پیشگوئی کی وجہ یہ تھی کہ پنڈت لیکھرام نے حضرت مرزا صاحب اور اسلام کے خلاف بہت گندے سے گندے مضامین لکھے تھے۔ اور پورے درجہ کی بے باکی دکھائی تھی۔ اور حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ پر مباہلہ کے میدان میں آیا تھا۔ اور آپ سے نشان طلب کیا تھا۔ جس پر حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے اسکے متعلق مندرجہ بالا خبر دی تھی۔ کہ وہ چھ سال کے اندر اندر عید کے دوسرے دن ہلاک کیا جائیگا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ لیکھرام پیشگوئی کے پانچویں سال عید کے دوسرے دن یعنی چھ مارچ ۱۸۹۷ء کو لاہور میں قتل کیا گیا۔ اور اسطرح ہمیشہ کے لئے حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر مہر لگ گیا۔ اس نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف اپنی زبان اور قلم کی چھری چلائی۔ اللہ نے بھی اسکے جواب میں ایک چھری سے ہی اس کا کام تمام کیا۔ ان فی ذالک لعبرۃ +

پھر عجیب بات یہ کہ آج تک قاتل کا باوجود ہزار کوشش کے کوئی پتہ نہیں چلا۔ معلوم نہیں کہ وہ کوئی آدمی تھا۔ کہ جو مخفی ہو گیا۔ یا کوئی فرشتہ تھا۔ جو آسمان پر چڑھ گیا۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ جس وقت لیکھرام کا قتل ہوا۔ اس وقت اس کے مکان کی ڈیوڑھی میں کوئی باہر سے ملنے والا آیا ہوا تھا۔ اس لئے قاتل باہر تو نہیں جا سکتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ لیکھرام کی بیوی وغیرہ کی روایت ہے وہ قتل کرکے چھت کے اوپر چڑھ گیا۔ اور پھر وہاں سے غائب۔ اس پیشگوئی کی اشتہاروں

اور کتب کے ذریعہ لاکھوں لوگوں میں پہلے سے اشاعت کر دیگئی تھی۔ اور خود آریوں کی طرف سے بھی اسکی کافی اشاعت ہو چکی تھی۔ کیونکہ وہ اسوقت تو خود حضرت مرزا صاحب کی ہلاکت کے منتظر تھے۔ اور نہیں جانتے تھے۔ کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے ٭

پھر ڈپٹی عبد اللہ آتھم عیسائی کے متعلق بھی مباحثہ کے بعد حضرت مرزا صاحب نے پیشگوئی فرمائی۔ کہ وہ پندرہ مہینہ کے اندر اندر ہلاک ہو جائیگا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور اس پیشگوئی کے اندر در اصل دو پیشگوئیاں تھیں۔ جیسا کہ الفاظ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" سے ظاہر ہے۔ یعنی ایک یہ کہ اگر وہ رجوع نہ کریگا۔ تو ضرور پندرہ مہینے کے اندر پکڑا جائیگا۔ اور دوسری یہ کہ اگر وہ رجوع کریگا۔ تو پندرہ مہینے کے اندر نہیں مریگا اور ظاہر ہے کہ یہ ہر دو پیشگوئیاں صریح غیب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ نہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں آدمی اتنے عرصہ کے اندر مر جائیگا۔ اور نہ ہی یہ کہہ سکتا کہ وہ اتنے عرصہ کے اندر نہیں مریگا۔ غرض حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر مندرجہ بالا پیشگوئی عبد اللہ آتھم عیسائی کے متعلق فرمائی۔ اور وہ پوری ہوئی۔ کیونکہ پیشگوئی سنکر آتھم کے اوپر سخت ہیبت طاری ہوئی۔ اور اس نے ایک بھری مجلس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دجال کہنے سے رجوع کیا حالانکہ وہ اپنی کتاب میں پہلے ایسا لکھ چکا تھا۔ اور اسکے علاوہ میعاد کے اندر اس نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ دن گذارے۔ کبھی ایک شہر میں جاتا۔ اور کبھی دوسرے شہر میں۔ اور وہ راتوں کو ڈر کر اُٹھتا۔ اور اُسے راستہ میں یونہی ویسی سانپ نظر آتے۔ علاوہ ازیں پہلے تو وہ ہر طرح تقریر اور تحریر میں اسلام کے خلاف بولتا رہتا تھا۔ مگر میعاد کے اندر وہ خاموش رہا غرض اُس نے کئی طرح سے اپنے دلی خوف کا اظہار کیا۔ اور جب پندرہ مہینہ کی میعاد گذرنے پر حضرت مرزا صاحب نے اُسکے لئے پے در پے کئی ہزار روپے کے انعامی وعدہ کے ساتھ اشتہار شائع کئے۔ کہ وہ قسم کھاجائے۔ کہ میعاد کے اندر اسپر خوف مستولی نہیں رہا۔ اور یہ کہ اسلام کا رعب اسپر غالب نہیں ہوا۔ تو اُسنے قسم کھانے سے پہلو تہی کی۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہے۔ کہ اس نے ضرور دل میں رجوع کیا۔ اور رجوع دل ہی کی کیفیت کا نام ہے۔ ہاں بے شک ظاہر میں شواہد موجود ہونے چاہئیں۔ اور وہ نمایاں طور پر موجود ہیں۔ غرض ایک پیشگوئی

تو اسطرح پوری ہوئی۔ اور اسکے ساتھ کی دوسری اسطرح پر پوری ہوئی کہ جب آپنے میعاد گذرنے
پر اپنے آپ کو امن میں سمجھا۔ اور قسم کھانے سے بھی انکار کیا۔ اور اسطرح اپنی خاموشی سے
مخلوق خدا کو دھوکا دینا چاہا۔ اور شوخی کا پہلو اختیار کیا۔ تو اسکے متعلق جو حضرت مرزا صاحب
کا آخری اشتہار شایع ہوا تھا۔ جسمیں اُنکو قسم کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور کئی ہزار روپیہ کا انعام
مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد پندرہ مہینے کے اندر اندر عبد اللہ آتھم حضرت مرزا صاحب کی
دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی دیکھتا ہوا کمال حسرت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا +

پھر جب بنگال کو دو حصہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ یعنے مشرقی اور مغربی بنگال۔ تو اسپر بنگالیوں
نے بہت شور مچایا۔ کہ یہ تقسیم منسوخ ہونی چاہیئے۔ مگر گورنمنٹ کی طرف سے صاف انکار کیا
گیا۔ اور یہی کہا گیا۔ کہ اب یہ تقسیم قایم رہیگی۔ اور حکام بالا نے اس تقسیم کو اٹل قرار دیا۔ اور
بڑے بڑے مدبرین ملک اور پارلیمنٹ نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا۔ کہ یہ فیصلہ منسوخ نہ ہو گا۔ حتی کہ
بنگالی بھی مایوس ہو کر خاموش ہو گئے۔ مگر اللہ تعالے نے حضرت مرزا صاحب کی زبان پر جاری
کیا۔ کہ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہو گی" اس وقت
تقسیم کا فیصلہ ایسا قطعی طور پر ہو چکا تھا۔ کہ بعض بنگالی اخباروں نے اس پیشگوئی پر ہنسی اڑائی۔ کہ
باوجود بنگالیوں کے شور کے مدبران ملک اور پارلیمنٹ تو قطعی فیصلہ کر چکے ہیں۔ کہ اب یہ حکم
قائم رہے گا۔ لیکن یہ شخص ایک گاؤں کا رہنے والا کہتا ہے کہ نہیں بنگالیوں کی ضرور اس حکم
کے متعلق دلجوئی کی جائیگی۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ آدمی تو بیشک ایک گاؤں کا رہنے والا
ہے۔ مگر وہ بول اس خدا کے حکم سے رہا ہے۔ جو سب غیبوں کو جانتا ہے۔ چنانچہ وہی خداوند
جسنے حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام کیا تھا کہ بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی۔ وہ ہمارے ملک معظم
جارج پنجم کو تاجپوشی کے لئے لنڈن سے چھ ہزار میل پر دہلی میں لایا۔ اور اُن کے مُنہ سے
اعلان کروا دیا۔ کہ تقسیم بنگالہ منسوخ کی جاتی ہے۔ اللہ اکبر کس صفائی کے ساتھ حضرت مرزا صاحب
کی پیشگوئی پوری ہوئی +

پھر آپنے ۱۹۰۵ء میں اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم کے اندر موجودہ جنگ کے متعلق
پیشگوئی فرمائی۔ اور اس جنگ کا ایسا نقشہ کھینچا۔ کہ اسکے مطالعہ سے دل کانپ اٹھتا ہے

آپ نے لکھا کہ :-

"اک نشان ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد | جس سے گردش کھائینگے دیہات و شہر اور مرغزار

آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب | اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائیگی زیر و زبر | نالیاں خوں کی چلینگی جیسے آبِ رودبار

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن | صبح کردیگی انہیں مثلِ درختانِ چنار

خون سے مردوں کے کوہستان کے آبِ رواں | سرخ ہو جائینگے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائینگے اس خوف سے سب جن و انس | زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان | آسماں حملے کریگا کھینچ کر اپنی کٹار

وحی حق کی بات ہے ہو کر رہیگی یہ ضرور | کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار"

پھر اسی کے متعلق آپ نے نثر میں لکھا کہ خدا نے آپ کو بتایا ہے کہ :-

"زمین پر اسقدر تباہی آئے گی۔ کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہو گی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائینگے۔ کہ گویا اس میں کبھی آبادی نہیں تھی ..... وہ دن نزدیک ہیں۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھیگی ...... اے یورپ تو بھی امن نہیں، اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں"

پھر اس جنگ کے بحری حصہ کو اللہ تعالےٰ کے اس کلام نے ظاہر کیا کہ :- "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں" اب دیکھئے کہ یہ ساری پیشگوئی کس صفائی کے ساتھ پوری ہو رہی ہے۔ آہ! اگر لوگوں کے دلوں میں صداقت کی تلاش ہو۔ تو یہی ایک پیشگوئی حضرت مرزا صاحب کو صادق ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ پھر دیکھئے۔ کہ اس پیشگوئی میں زار روس کی حالت کا کیسا نقشہ کھینچا گیا ہے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ :-

مضمحل ہو جائینگے اس خوف سے سب جن و انس :- زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

اخبارات کا مطالعہ کرنیوالے جانتے ہیں کہ زار کا اس جنگ میں وہ حال زار ہوا ہے کہ سنکر بدن کے

رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کجا وہ عیش و عشرت کے ساتھ کروڑوں انسانوں پر حکومت کر رہا تھا
اور ایک نہایت وسیع ملک کا خود مختار بادشاہ تھا۔ مگر کجا اب ہزار ذلت کے ساتھ قید میں پڑا ہوا ایک
تلخی کی زندگی گذار رہا ہے۔ کیا اس کی حالتِ زار زبانِ حال سے پکار پکار کر حضرت مرزا صاحب
کی صداقت نہیں بیان کر رہی۔ ذرا اپنے ذہنوں میں یہ نقشہ تو جماؤ۔ کہ ایک گمنام گاؤں کا
رہنے والا جس نے اپنی ساری زندگی گوشہ نشینی میں ہی گذار دی۔ کس طرح تمہارے سامنے
دنیا کی آیندہ حالت کا نقشہ کھینچ کر رکھ رہا ہے *

یہ چند پیشگوئیاں میں نے بطور نمونہ اس موقعہ پر بیان کی ہیں۔ ورنہ حضرت مرزا صاحب کو جو
نشانات اللہ تعالےٰ نے دئیے ہیں۔ ان کا تو ایک دریا بہ رہا ہے۔ مگر افسوس باوجود کھلے
کھلے نشانات کے دنیا خواب غفلت میں پڑی سوتی ہے۔ اور نہیں دیکھتی۔ کہ سورج اپنی چمکدار
شعاعوں کے ساتھ نکل چکا ہے۔ بھلا ناظرین اپنی اپنی جگہ تعصب کے الگ ہو کر ٹھنڈے
دل سے غور کریں۔ کہ جب تک اللہ تعالےٰ ہی خود نہ بتائے۔ کیا انسان کو اس قدر صفائی
کے ساتھ غیب پر اطلاع ہو سکتی ہے۔ مجھے تحکک قیاس بعض باتوں کا پیش از وقت پتہ

پیشگوئیوں کے متعلق اعتراضات کا اصولی جواب

بعض لوگ حضرت مرزا صاحب کی بعض پیشگوئیوں کے متعلق اعتراض کیا کرتے
ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ قطع نظر اس کے کہ
وہ پوری ہوئیں یا نہ ہوئیں۔ قرآن شریف کی آیت جسے ہم نے بطور معیار
کے پیش کیا ہے۔ یعنی آیت لا یظہر علےٰ غیبہ الخ وہ کیا کہتی ہے۔
سو ظاہر ہے کہ اس میں تو صرف یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ مصفا غیب پر کثرت کے ساتھ اطلاع سوا رسولوں
کے اور کسی کو نہیں ملتی۔ اور یہ اصول بہر حال حضرت مرزا صاحب کو سچا ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر بفرض
محال یہ بھی مان لیا جاوے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں بھی ہوئی۔ پھر بھی اس اصول کے
ماتحت حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ آیت سب پیشگوئیوں کے واضح طور
پر پورا ہونے کو بطور معیار کے نہیں پیش کرتی۔ بلکہ صرف یہ اصول قائم کرتی ہے کہ کثرت کے ساتھ مصفا غیب
اطلاع صرف رسولوں ہی کو دی جاتی ہے۔ پس جس کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے۔ کہ اس کی کثیر پیشگوئیاں

لگ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک طالب علم کمزور اور کُند ذہن ہو۔ تو اس کی نسبت اُستاد کا یہ اندازہ کہ وہ فیل
ہو جائے گا۔ بیشک اکثر درست نکلیگا۔ اور گو بظاہر یہ بھی ایک غیب کی خبر ہوگی۔ مگر یہ مصفا غیب

بقیہ حاشیہ۔ جو مصفا غیب پر مشتمل تھیں۔ وہ پُوری ہوئیں۔ تو معیار زیر بحث کی رُو سے اسکی صداقت
بہر حال ثابت ہو جائیگی۔ خواہ اس کی بعض پیشگوئیاں بظاہر قابل اعتراض ہوں۔ مثلاً اگر ایک شخص نے بہت
سی پیشگوئیاں کیں۔ جو ب مصفا غیب پر مشتمل تھیں یعنے ایسا غیب جس کا علم خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہو۔ تو
اگر ان میں سے اتنی پیشگوئیاں جن پر کثیر کا لفظ عرفاً اطلاق پا سکے۔ پُوری ہو جائیں۔ تو آیت لا یظھر علے
غیبہ کے مطابق اس کی صداقت بہر حال ثابت ہے۔ کیونکہ اس میں کثرت ہی کو معیار رکھا گیا ہے
پس اُصولاً معیار زیر بحث کے مطابق بعض پیشگوئیوں کا قابل اعتراض ٹھہرنا پیشگوئی کرنے والے کو جھوٹا
ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ کثیر التعداد پیشگوئیوں کا سچا ہونا اسکے منجانب اللہ ہونے پر دلیل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ
آیت زیر بحث غیب پر کثرت کے ساتھ اطلاع پانے کو صداقت کی دلیل ٹھہراتی ہے۔ پس جس نے بہت سی ایسی
پیشگوئیاں کیں جو مصفا غیب پر مشتمل تھیں۔ اور وہ پوری ہوئیں۔ تو اس نے بالفاظ دیگر کثرت کیساتھ
اُمور غیبیہ پر اطلاع پائی۔ پس وہ صادق ہے۔ خواہ اس کی بعض پیشگوئیاں بظاہر واضح طور پر پُوری نہ
بھی ہوں۔ اور یہ بات عقلاً بھی درست ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص ایک ایسی بات کی پیش از وقت خبر دیتا
ہے جس کا حالات موجودہ کے ماتحت پیش از وقت معلوم ہونا یقیناً اور حقیقتاً عقل انسانی سے بالا ہے
تو لامحالہ یہی ماننا پڑے گا۔ کہ اس کو اللہ تعالےٰ ہی نے اسپر اطلاع دی ہے۔ جو عالم الغیب ہے۔ پس کثرت
کیا ایک ہی سچی پیشگوئی جو حقیقتاً مصفا غیب پر مشتمل ہو۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ وہ خبر خدا
کی طرف سے ہے۔ لیکن ہاں ایسی ایک خبر مخبر کی رسالت پر دلیل نہیں ٹھہر سکتی۔ نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ کیونکہ
ایک سے یہ تو بے شک معلوم ہو گیا۔ کہ وہ خبر خدا کی طرف سے ہے۔ مگر خبر دینے والے کی رسالت پر
وہ دال نہیں۔ کیونکہ بعض وقت خدا کی طرف سے عام لوگوں کو بھی سچے خواب یا سچے الہام ہو جاتے ہیں
تا ان کے لئے ایسی چیزوں کا وجود ہی وہمی نہ ٹھہرے۔ مگر ہاں ایسی اخبار کی کثرت عقلاً صرف اسی کے
ساتھ خاص ہونی چاہیئے۔ جو خدا کے ساتھ تعلق میں بھی خصوصیت رکھتا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے
اپنے برگزیدہ کلام میں رسالت کے لئے کثرت ہی کو معیار ٹھہرایا۔ حالانکہ ایک سچی پیشگوئی بھی ایک حد تک

نہیں کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہو۔ بلکہ تجربہ سے انسان ایسے غیب پر ایک حد تک
قادر ہو سکتا ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ مصفا غیب جسکا علم خاص باری تعالےٰ کا حصہ ہے

بقیہ حاشیہ۔ خدا کے ساتھ تعلق ثابت کرتی ہو۔ پس جس کی بہت سی پیشگوئیاں جو مصفا غیب
مشتمل ہوں۔ پوری ہو جاویں۔ وہ بہرحال منجانب اللہ ہے۔ خواہ اس کی بعض دوسری پیشگوئیاں ہمیں
بظاہر قابل اعتراض نظر آویں۔ کیونکہ آیت لا یظہر علی غیبہ احدًا اسکو سچا ثابت کر رہی ہے۔
ہم تو قرآن شریف کے پیچھے ہیں۔ پس جب قرآن شریف ایک شخص کو سچا ثابت کرتا ہے۔ تو ہم کون ہیں جو اس کا
انکار کریں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تو اعتراض ہی غلط ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی بعض پیشگوئیاں غلط نکلیں
کیونکہ وہ سب کمال صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور ہونگی۔ صرف ایک دو کے متعلق ہمارا
اور ہمارے مخالفین کا اختلاف ہے۔ مگر ان پر بھی اگر سنت اللہ کے مطابق نظر ڈالی جاوے تو کوئی اعتراض
نہیں پڑتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے۔ کہ ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ اٰیات محکمات
ھن ام الکتٰب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء
الفتنۃ۔ (آل عمران رکوع ۱) یعنے اللہ نے کتاب اتاری ہے۔ جسمیں بعض آیات محکم (یعنی پکی) ہیں یہ
وہی اصل کتاب ہیں۔ اور بعض آیات متشابہات میں سے ہیں (یعنی ایسی جن میں شبہ واقع ہوتا ہے۔ اور جن کے
کئی معنے ہو سکتے ہیں) پس جو لوگ کہ کجرو ہیں وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تا فتنہ پیدا کریں" دیکھو
اس آیت کریمہ میں کس صفائی کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے ہم کو بتایا ہے کہ اسکی طرف سے جو آیات آیا کرتی ہیں ان میں
سے بعض متشابہات یعنی غیر واضح بھی ضرور ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ تا ایمان بالغیب کا ثواب قائم
رہے۔ اگر سب آیات میں وہی کمال صفائی ہو۔ اور کسی طرح سے بھی مخالف ان میں کجی کا راستہ نہ نکال سکے۔ تو
پھر تو ایمان کے لئے شہادت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ اور جب شہادت کا رنگ پیدا ہوا تو ثواب کیسا؟
پھر میں کہتا ہوں کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو آیات دی گئیں۔ ان میں بھی بعض متشابہات تھیں
تو حضرت مرزا صاحب کی آیات میں بعض کا متشابہ ہونا کس طرح آپکے کذب پر دلیل ٹھہرا؟ افسوس حضرت مرزا
صاحب کی صداقت کو پرکھتے ہوئے لوگ ان معیاروں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ جن سے گذشتہ انبیاء
کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں۔ قدیم زمانہ سے اللہ کے

اپر کثرت کے ساتھ سوائے رسولوں کے اور کسی کو اطلاع نہیں دیجاتی۔ جیساکہ آیت لا یظہر علی غیبہ الخ

بقیہ حاشیہ۔ رسول اسی طرح دعویٰ کرتے آئے ہیں۔ اور انکے دعاوی کو ہمارے مخالفین قبول کرتے ہیں۔ پس جن
وجوہات سے گذشتہ مرسلین کو صادق سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہی حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت کرتے ہیں تو کیا وجہ
ہے کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو قبول نہ کریں؟ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ اگر گذشتہ مرسلین کی صداقت کے معیار
حضرت مرزا صاحب کو سچا ثابت کریں تو آپ پر ایمان لانا بھی ویسا ہی ضروری ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مرسلین پر ورنہ
اللہ کے رسولوں میں تفریق لازم آئیگی۔ اور تفریق سے ہم کو روکا گیا ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔ لا نفرق بین
احد من رسلہ (سورہ بقرہ) نیز ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا
بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک
سبیلا۔ اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔ (پارہ ۶ رکوع ۱)
پس جب قرآن شریف کے پیش کردہ معیاروں کی رو سے حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت ہے۔ تو
انکار کرنیوالے یا آپ کے دعوے کی طرف توجہ نہ کرنیوالے اپنا انجام سوچ لیں۔ بات بہت صاف ہے۔ قرآن شریف
مصفا غیب کا دروازہ رسولوں کے سوا اور سب پر بند کرتا ہے۔ پس جب حضرت مرزا صاحب نے بہت سی ایسی
پیشگوئیاں کیں۔ جو مصفا غیب پر مشتمل تھیں۔ اور وہ پوری بھی ہو گئیں۔ تو لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ قرآن شریف نے
تو آپ کی صداقت پر مہر لگادی۔ اور یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض پوری نہیں ہوئیں۔ سو اس کے
جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ سنت اللہ کے موافق آپ کی کسی پیشگوئی پر کوئی اعتراض
وارد نہیں ہوتا۔ ہاں ایک دو ضرور ایسی ہیں جنمیں ہمارے مخالفین بھی کا ذرا شک نکالتے ہیں مگر بعض کا ایسا
ہونا قرآن شریعت کی رو سے موجب اعتراض نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف متشابہات کے وجود کو بھی ضروری قرار دیتا ہے
جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس جب قرآن شریف بعض پیشگوئیوں کے متشابہات میں سے ہونے کو کذب کی دلیل نہیں قرار
دیتا۔ بلکہ ایک حد تک ان کا وجود ضروری بیان کرتا ہے۔ اور بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کو صداقت کا
یقینی معیار ٹھہراتا ہے۔ تو قرآن شریف کے ہوتے ہوئے کون مسلمان کہلانیوالا انسان ہے۔ جو ناجائز طور پر حضرت مرزا
صاحب پر کوئی اعتراض کریگا؟ پہلے وہ اپنے اسلام کو خیرباد کہے پھر حضرت مرزا صاحب کو اعتراض کا نشانہ بنائے
مسلمان کہلا کر اور قرآن شریف کے فیصلہ جات پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہوئے کوئی شخص کس طرح متشابہات کے

کا منشا رہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب کو جب اسپر اطلاع ہوئی۔ اور آپکی بہت سی پیشگوئیاں جو مصفا غیب پر
مشتمل تھیں وہ صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپ منجانب اللہ ہیں۔ وہو المراد ۔

بقیہ حاشیہ۔ وجود کو قابل اعتراض سمجھ سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ مسلمان کہلانیوالے ہی اعتراض کرتے ہیں اور
اسطرح مخبر صادق کا وہ کلام اپنی شدید تلخی کے ساتھ پورا ہو رہا ہے کہ یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن
مھجوراً (فرقان رکوع ۳) یعنے اے میرے رب میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا ۔

اس نوٹ کے بعد میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مختصراً وہ وجوہات بھی تحریر کردوں۔ جن کی وجہ سے بعض وقت آیات اللہ
متشابہات کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ اور اسطرح خصم بدبین کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہرتی ہیں۔ سو
اول جاننا چاہیئے۔ کہ جب انسان کسی پیشگوئی کو سنتا ہے۔ تو اس کے متعلق ضرور اپنے دل میں ایک نقشہ جما لیتا ہے
کہ یہ اسطرح پر پوری ہوگی۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس خیال پر اتنا جم جاتا ہے کہ بعد میں اسکے خلاف کسی واضح
سے واضح دلیل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا۔ حالانکہ جو احتیاط کی تعلیم ہم کو سکھائی گئی ہے۔ اس کا تو یہ تقاضا
ہونا چاہیئے کہ ہم پیشگوئی کے اصل الفاظ پر ایمان لاویں اور اسکے پورا ہونے کے منتظر رہیں مگر ایسا نہیں
کیا جاتا۔ مگر بالعموم ہر ایک پیشگوئی کے آیندہ ظہور کی ایک خاص کیفیت اپنے ذہنوں میں جما لی جاتی ہے
جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب پیشگوئی کا ظہور کسی اور مفہوم میں ہوتا ہے۔ تو لوگ تردد میں پڑ جاتے ہیں۔ اور
اسطرح بعض وقت ایک واضح پیشگوئی بھی متشابہ کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال واقعہ
صلح حدیبیہ میں ملتی ہے۔ آنحضرتؐ کو دکھایا گیا تھا۔ کہ انہوں نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے
جس سے اکثر صحابہ نے یہی سمجھا کہ اسی سال طواف ہو گا۔ اور بڑی شان و شوکت سے ہو گا۔ لیکن جب آنحضرتؐ
اپنے صحابہ کے ساتھ مدینے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مکہ کے پاس پہنچنے پر کفار مکہ نے آپ کو طواف کرنے
سے روکا۔ اس موقعہ پر جو صلح کفار مکہ کے ساتھ ہوئی۔ وہ صلح حدیبیہ کہلاتی ہے۔ اس صلح کے ماتحت آنحضرتؐ
کو صحابہ کے ساتھ بغیر طواف کئے مدینہ کو واپس آنا پڑا۔ اس پر بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ خدا نے
تو یہ دکھایا تھا کہ طواف ہو گا۔ لیکن ہم بغیر طواف کئے واپس جا رہے ہیں حتی کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ
بھی ایک وقت کے لئے اس وہم اور تعجب کے شکار ہو گئے۔ مگر آنحضرتؐ نے سمجھایا کہ مطلق طواف کرنا دکھایا
گیا تھا۔ اس سال کی شرط تو ساتھ نہ تھی۔ انشاء اللہ اگلے سال طواف کرینگے۔ چنانچہ اگلے سال کیا ۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔ اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ جسطرح یہ دل سے نکلا ہے

بقیہ حاشیہ :۔ اسی طرح بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں کسی پیشگوئی کے ظاہری معنے مُراد نہیں ہوتے ۔ بلکہ ان الفاظ کو استعارہ اور مجاز کے طور پر کسی باطنی مفہوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً یہود کی کتب میں حضرت عیسیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتائی گئی تھی کہ انکی بعثت سے پہلے حضرت الیاس جو ان سے پہلے ایک رسول گذر چکے تھے ۔ دوبارہ دنیا میں نازل ہونگے ۔ اور انکے نزول کے بعد حضرت مسیح کا ظہور ہوگا ۔ اسیواسطے جب حضرت مسیح نے دعویٰ کیا تو یہود نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ اور یہی عذر پیش کیا کہ مسیح سے پہلے الیاس کا دوبارہ آنا ضروری ہے ۔ اسکے جواب میں مسیح نے ان سے کہا کہ دیکھو الیاس کے دوبارہ آنے سے یہ مُراد نہیں ۔ کہ جو الیاس گذر چکا ۔ وہی دوبارہ دُنیا میں آئیگا ۔ بلکہ اس سے صرف اتنا مُراد ہے ۔ کہ ایک نبی مسیح سے پہلے الیاس کی خو بُو پر آئے گا ۔ چنانچہ وہ آچکا ۔ اور وہی یوحنا ہے ۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے مگر ظاہر پرست یہود نے نہ مانا ۔

اس مثال سے ظاہر ہے کہ ہر ایک پیشگوئی کے ظاہری معنوں پر جم جانا ہلاکت کی راہ ہے ۔ لیکن پھر بھی پرہیز لازم ہے مگر پھر بھی لوگ ظاہری معنوں پر جم ہی جاتے ہیں ۔ اور اسطرح بھی بعض آیات متشابہات کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں ۔ اسی قسم کی ایک واضح مثال آنحضرت ؐ کے زمانہ مبارک میں بھی ملتی ہے ۔ حدیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ آپ کو دکھایا گیا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپکی بیبیوں میں سے لمبے ہاتھ والی بیوی سب سے پہلے وفات پائیگی ۔ چنانچہ آپکے بیان کرنے پر سب بیبیوں نے آپکے سامنے اپنے ہاتھ ناپے ۔ جس پر معلوم ہوا کہ حضرت سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں ۔ لیکن آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ کی بیبیوں میں سے سب سے پہلے حضرت زینب فوت ہوئیں ۔ جو آپکی بیبیوں میں سے اول نمبر پر سخی اور زیادہ خرچ کرنے والی تھیں ۔ اسوقت جاکر اس پیشگوئی کے حقیقی معنے ظاہر ہوئے کہ لمبے ہاتھ والی سے زیادہ سخی مراد تھی ۔ مگر اس کے ظہور سے پہلے آنحضرت ؐ اور آپکی سب بیبیاں یہی سمجھتی رہیں کہ لمبے ہاتھ سے ظاہری لمبے ہاتھ مُراد ہیں ۔ اور اس طرف خیال ہی نہیں گیا کہ اس سے سخاوت کی طرف اشارہ ہے ۔ میں سمجھتا ہوں جن لوگوں سے حضرت مرزا صاحب کو پالا پڑا ہے ۔ اگر انمیں سے اس زمانہ میں کوئی ہوتا تو ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیتا کہ یہ بھی پیشگوئی غلط نکلی ۔ خاصکر جب پہلے سے ہی صحابہ اور آنحضرت ؐ اور آپکی ازواج کا یہ خیال تھا کہ ظاہری لمبے ہاتھ مراد ہیں ۔

اسی طرح یہ دلوں کے اندر گھر کر ے۔ ناظرین اس تڑپ اور خواہش کا پورا پورا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جو مدتوں سے میرے دل کے اندر جوش زن تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی

بقیہ حاشیہ: پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انذاری پیشگوئیاں رجوع الی الحق سے ٹل جاتی ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ جب بندہ اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اپنا رویہ بدل لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (بنی اسرائیل) یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس حالت میں کبھی سزا نہیں دیا کرتا۔ جب وہ اپنی کمزوریوں کو ڈھانپنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اسی خیال کی مد میں فرمایا۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ (زلزال) یعنی جو ذرہ بھر بھی نیکی کریگا۔ وہ اس کا اجر پائیگا۔ یعنی اگر کوئی شخص حق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ اس کا اجر پائے۔ خواہ رجوع کتنا ہی خفیف ہو۔ جیسا کہ لفظ ذرہ کا مفہوم ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ رجوع دل کی کیفیت کا نام ہے۔ اور دل کی کیفیات کی عالم صرف خدا کی ذات ہے۔ ہاں ظاہر میں رجوع کے کچھ نہ کچھ شواہد ملنے ضروری ہیں۔ تا لوگوں پر حجت ہو۔ غرض وعید کی پیشگوئی رجوع الی الحق سے ٹل جاتی ہے۔ مگر دیکھنے والے شور مچا دیتے ہیں کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ ایسے حالات کے ماتحت اس کا ٹل جانا ہی اس کا پورا ہونا ہے۔ ایسی پیشگوئیوں کے ٹل جانے کی ایک واضح مثال حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ملتی ہے۔ حضرت یونس نے اپنی قوم کے لئے وعید کی پیشگوئی کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ چالیس دن کے اندر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئیگا۔ لیکن چونکہ ان کی قوم نے جناب باری تعالیٰ کی طرف تضرع اور خشوع کے ساتھ رجوع کیا۔ اسلئے وہ وعید باوجود بلا شرط ہونے کے ٹل گیا۔ پھر دیکھئے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ جب فرعونیوں پر حضرت موسیٰ کے مقابلہ پر عذاب نمودار ہوا۔ تو ان کے صرف قولی اور وہ بھی عارضی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع کرنے پر وہ عذاب ان سے ٹل گیا۔ جیسا کہ فرمایا:۔ فلما کشفنا عنھم الرجز الی اجل ھم بالغوہ اذا ھم ینکثون (سورۃ اعراف رکوع ۶) یعنی جب ہم نے ان سے ایک وقت تک۔ عذاب ٹال دیا۔ تو وہ پھر پہلی سی شرارتیں کرنے لگ گئے۔ جسکے نتیجہ میں وہ آخر غرق کئے گئے۔ اسی طرح قرآن شریف میں لکھا ہے۔ وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم (سورۃ مومن رکوع ۱۴) یعنی کفار کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اگر یہ رسول سچا ہوا۔ تو پھر ضرور تم کو اس کے وعیدوں میں سے بعض پہنچیں گے۔" یہاں وعیدوں میں سے صرف بعض کا پہنچنا ضروری قرار دیا گیا ہے نہ کہ کل کا۔ جسکی وجہ یہی ہے۔ کہ حالات کی تبدیلی سے وعید ٹل جایا کرتے ہیں ؎ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وقت جس شخص کے متعلق پیشگوئی ہو۔ اس کی اولاد یا اس کا کوئی قریبی مراد ہوتا ہے یا مور کی صورت میں اس کا کوئی جانشین یا مثیل یا اس کی جماعت بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ صورت اول کی ایک واضح مثال عکرمہ بن ابوجہل میں ملتی ہے۔ ابوجہل کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ کہ اس کے ہاتھ میں جنت کے انگوروں کا ایک خوشہ دیا گیا ہے۔ مگر واقعات نے آنحضرت ؐ کی اس پیشگوئی کے معنے عکرمہ بن ابوجہل

کے متعلق ایک جامع مگر نہایت مختصر اور عام فہم رسالہ لکھوں۔ جو تبلیغ کے وقت اکیلا غیر احمدیوں کے

بقیہ حاشیہ ۰۰۔ کا مشرف بالاسلام ہونا ثابت کیئے۔ گویا اس پیشگوئی میں ابوجہل سے مراد عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ اسیطرح
زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں روایت آتی ہے کہ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اسید (جو کہ ایک کافر تھا اور کفر ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا)
کو مکہ کا حاکم بنایا جائیگا۔ لیکن وہ فتح مکہ سے پہلے ہی کفر کی حالت میں وفات پا گیا۔ اس لئے فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے اسکی جگہ اس کے
بیٹے عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ پھر اسی طرح آنحضرتؐ نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی چابیاں آپکے ہاتھ میں
دی گئیں۔ لیکن مراد اس سے یہ تھا کہ وہ آپکے خلیفہ برحق حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پہنچینگی جیسا کہ واقعات نے ظاہر کیا۔ گویا
آنحضرتؐ کی اس پیشگوئی میں آپکے وجود سے حضرت عمرؓ کا وجود مراد تھا۔ مگر لوگ چونکہ ظاہری صورت کو لیتے ہیں اس لئے وہ
شور مچا دیتے ہیں کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ اور اس طرح بھی بعض آیات اللہ متشابہات کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں ؛

اسی طرح ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ لوگ پیشگوئی کی اصل میعاد کے متعلق بعض وقت غلطی میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ بعض وقت
اللہ تعالےٰ اپنے کلام میں ایک وقت کے لئے ایک خاص اصطلاح قائم کر لیتا ہے۔ مثلاً جب کفار مکہ نے آنحضرتؐ سے عذاب کا نشان مانگا
تو اللہ تعالےٰ نے انکو فرمایا۔ قل لکم میعاد یوم (سورۃ سبا رکوع ۴) یعنی ان کو کہدے کہ اس عذاب کے لئے تمہارے
واسطے ایک یوم کی میعاد مقرر کی جاتی ہے جس سے مراد یہ تھا جیسا کہ واقعات نے بعد میں ظاہر کیا کہ نبی کریمؐ کے مکہ سے
ہجرت کر جانے کے قریباً ایک سال بعد کفار مکہ پر موعود عذاب آئیگا۔ گویا اس آیت میں قریباً ایک سال کے لئے یوم کا لفظ
رکھا گیا۔ پس تشابہ ظاہر ہے۔ اگر اسوقت ہمارے زمانہ کا کوئی مولوی موجود ہوتا تو یقیناً بول اٹھتا کہ چونکہ چوبیس ۲۴
گھنٹے کے اندر اندر سارے کافر مرے نہیں گئے۔ اس لئے نعوذ باللہ پیشگوئی غلط نکلی مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کے لوگ
نسبتاً سادہ تھے۔ کیونکہ بہتوں نے جنگ بدر سے فائدہ اٹھایا (جو اس پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آیا) اور اسلام اختیار کیا۔

پھر بعض اوقات خود پیشگوئی کرنے والے کو بھی اپنی پیشگوئی کے متعلق اجتہادی غلطی لگ جاتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے
کہ چونکہ مستقل طور پر غیب کا علم صرف خدا کو ہے۔ اور انبیاء کو جو کچھ پتہ لگتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے بتانے سے ہی پتہ لگتا ہے
اسلئے بعض اوقات وہ اپنی طرف سے الہام الٰہی کے ایک معنی کرتے ہیں مگر پیشگوئی کسی اور مفہوم میں پوری ہوتی ہے۔ انبیاء
کیطرف سے اس قسم کی اجتہادی غلطی کے اندر بعض فوائد بھی ہیں۔ ایک تو یہی کہ تا یہ اچھی طرح ظاہر ہو جاوے کہ نبی بہر حال بشر ہی ہے
یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب میں اسکا شریک نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک پیغامبر ہے۔ عوام الناس میں یہ مرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے
نبی یا مرشد کو بڑھاتے بڑھاتے پھر انہیں خدائی تک پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی طرح اپنے متبعین کی توجہ سے
خدائی رتبہ حاصل کیا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ بعض اوقات انبیاء سے اجتہادی غلطی کروا دیتا ہے۔ دوسرا
بڑا فائدہ اس میں یہ ہے کہ تا ایسی غلطیاں انبیاء کی صداقت پر دلیل ہوں کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے

ہاتھوں میں آ جا سکے۔ سو الحمد للہ کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اسکی توفیق دی۔ اور میری مدت کی خواہش بر آئی۔ مگر ناظرین

بقیہ حاشیہ: الہام بنایا ہو۔ اور وہ صادق نہ ہو۔ تو اسکی تاویل اور الہام کے الفاظ میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہمیشہ
موافق ہونگے۔ تاویل اور الہام کے الفاظ میں اختلاف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب دونو کا منبع الگ ہو۔ یعنی الہام کرنیوالا کوئی اور
ہو اور تاویل کرنیوالا کوئی اور۔ اسی لئے کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک نبی نے اللہ سے الہام پاکر ایک پیشگوئی کی۔ اور پھر اسکی تشریح
کرتے ہوئے اس کا ایک مفہوم بیان کیا۔ لیکن بعد میں وہ پیشگوئی کسی اور مفہوم میں ظہور پذیر ہوئی۔ گویا پیشگوئی تو پوری ہوئی
مگر نبی کی تاویل درست نہ نکلی۔ جس سے صاف پتہ لگ گیا کہ اصل پیشگوئی کرنیوالی کوئی اور ذات ہے۔ غرض پیشگوئی کرنیوالے
بھی اپنی پیشگوئی کے اصل مطلب اور مفہوم کے متعلق بعض وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہمیشہ الہام کے اصل
الفاظ کو مدنظر رکھیں اور پھر دیکھیں کہ سنت اللہ کے موافق پیشگوئی پوری ہوئی یا نہیں۔ اگر پیشگوئی کا ظہور کسی ایسے مفہوم
میں ہو گیا ہے جسے الہام کے اصل الفاظ برداشت کر سکتے ہیں تو ہم کو مان لینا چاہیئے کہ پیشگوئی مذکور پوری ہو گئی
ہے۔ کیونکہ بعض وقت نبی بھی پیشگوئی کی تاویل میں اجتہادی غلطی کر بیٹھتا ہے اور اس بشری کمزوری سے عظیم الشان
انبیاء تک مستثنیٰ نہیں حتیٰ کہ احادیث اور تاریخ سے ثابت ہے کہ خود نبیوں کے سرتاج محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض پیشگوئیوں
کا ایک مطلب سمجھا لیکن ان کے ظہور کے وقت وہ کسی دوسرے مفہوم میں پوری ہوئیں۔ مثلاً جب آپکو ہجرت کے متعلق دکھایا
گیا تو آپ نے خیال کیا کہ یمامہ وغیرہ کی طرف ہجرت ہوگی۔ مگر خدا کے علم میں یثرب تھا۔ اسی طرح آپ نے اپنی ازواج میں
سب سے پہلے فوت ہونے والی کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی فوت ہوگی
(اطولکن یداً) اس سے آپ نے یہی سمجھا تھا کہ ظاہری لمبے ہاتھ مراد ہیں کیونکہ آپ کے سامنے آپکی ازواج نے اپنے ہاتھ
ناپے اور آپ نے نہیں رد کیا۔ لیکن واقعات نے بعد میں یہ ثابت کیا کہ لمبے ہاتھوں سے سخاوت کی طرف اشارہ تھا۔ پھر
اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ تھا کہ تیرے اہل بچائے جائینگے۔ جس سے انہوں نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ میرے
سب رشتہ دار محفوظ رہینگے۔ لیکن جب طوفان نے ان کے بیٹے کو آگھیرا تو اسوقت انکے اللہ تعالیٰ سے اس عرض کرنے پر کہ ان
ابنی من اھلی۔ یعنی اے اللہ تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل بچائے جائینگے۔ اور اب میرا بیٹا ڈوب رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
جواب دیا کہ انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح۔ یعنی یہ تیرے اہل سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بد عمل ہے۔
دیکھئے حضرت نوح نے لفظ اہل کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کھائی۔ اگر اسوقت اس زمانہ کا کوئی ملاں صفت انسان
موجود ہوتا تو اس شور سے آسمان سر پر اٹھا لیتا کہ دیکھو نوح نے کہا تھا کہ میرے رشتہ دار محفوظ رہینگے۔ مگر خود
حضرت کے فرزند ارجمند طوفان کی لہروں کا شکار ہو گئے۔ غرض یہ چند باتیں ہیں جنکی وجہ سے بعض پیشگوئیوں میں
تشابہ واقع ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تشابہ بعض اوقات منشاء الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ رسالہ الٰہی حربہ دیانت کے لیے کافی ہوگا۔ بلکہ یہ تو صرف پہلے زینہ کا کام دیگا انشاء اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ: کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ گو اکثر پیشگوئیاں صفائی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں مگر بعض پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے اخفا کا پردہ رکھا جاتا ہے تاایمان بالغیب کا ثواب قائم رہے۔ اور لوگوں کا امتحان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی مامور آئے ہیں۔ ان سب کے ساتھ ایسے امتحانوں اور ابتلاؤں کا سلسلہ چلا آیا ہے۔ جیسا کہ مثلاً نبی کریم صلعم کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کصیب من السماء فیہ ظلمٰت ورعد وبرق (سورۃ بقرۃ رکوع ۲) یعنی آپکا وجود دنیا کے لئے ایک بارش کی طرح ہے (جو خدا کی رحمت تو ہے مگر) جسکے ساتھ اندھیری بھی ہیں اور کڑک بھی ہے اور بجلی بھی۔ اور یہ سب کچھ اسلئے کہ تا لوگوں کا امتحان ہو۔ اور کھوٹے اور کھرے میں تمیز ہو جاوے۔ اگر ہر ایک بات ایک اور ایک دو کی طرح یقینی اور قطعی ہو۔ تو پھر تو شہادت کا رنگ پیدا ہو جاوے۔ اور یہ سنت اللہ کے مخالف ہے ۞

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن شریف کا یہ فیصلہ ہے کہ کثرت کے ساتھ امور غیبیہ پر سوا رسولوں کے اور کسی کو اطلاع نہیں دیجاتی پس جسکو کثرت کے ساتھ غیب کی اطلاع مل گئی۔ وہ بہرحال صادق اور اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ باقی رہا یہ کہ اگر ایسے شخص کی بعض پیشگوئیاں بظاہر غلط نظر آویں سو اسکے لئے بھی قرآن شریف ہی کا فتوےٰ موجود ہے کہ اخر متشابہات یعنی اللہ کی آیات میں بعض متشابہات بھی ضرور ہوا کرتی ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ تشابہ کیوں اور کسطرح ہو جاتا ہے۔ سو اس کا جواب بھی ہم نے قرآن شریف سے ہی دیا ہے۔ اور گذشتہ انبیاء کے حالات سے مثالیں پیش کی ہیں کہ اس طرح تشابہ واقع ہو جایا کرتا ہے۔ اور ہو رہا ہے۔ اب اس ساری تحریر کے بعد ہم دعوے کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو ہمت ہے۔ تو جو تشابہ کی صورتیں ہم نے قرآن شریف کی رو سے اور گذشتہ انبیاء کے حالات سے پیش کی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تشابہ یا مخالف سنت حضرت مرزا صاحب کی کسی پیشگوئی میں دکھلائے۔ اور اگر نہ دکھلا سکے تو کیا یہ جائے شرم نہیں کہ جو باتیں پہلے نبیوں میں بلکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ اور جن کو قرآن شریف جابجا بلکہ بعض صورتوں میں ایمانی ترقی کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ انہی کی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحب کو محل اعتراض گردانو۔ اور اگر تم نے اپنی طرف سے حضرت مرزا صاحب کی کوئی ایسی پیشگوئی پیش کی۔ جو تمہارے خیال میں سنت اللہ سے باہر ہے اور ہمارے خیال میں وہ سنت اللہ کے ماتحت ہوگی۔ اور ہر دو فریق اپنی رائے پر مصر رہے۔ تو یہ نہ سمجھو کہ اس صورت میں پھر کوئی فیصلہ کی راہ نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے ایسے موقعہ کے لئے بھی فیصلہ کی راہ نکال رکھی ہے۔ اور وہ یہ کہ ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب پر ایک اعتراض بھی ایسا نہیں پڑتا۔ جو گذشتہ انبیاء پر نہ پڑتا ہو۔ اور ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ہر طرح ثبوت دینے کو تیار ہیں۔ مولوی یوں تو بہت شور مچاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی وہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور وہ پوری نہیں ہوئی۔ مگر حرام ہے اگر ان پیشگوئیوں کا نام بھی لیجائیں۔ جو کہ ایک کثیر تعداد میں ہیں۔ اور کمال صفائی کے ساتھ پوری ہو چکی ہیں۔ ان لوگوں پر یہ آیت پوری پوری مطابق آتی ہے۔ فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ یعنی جنکے اپنے دلوں کے اندر کجی ہوتی ہے وہ آیات اللہ میں سے محکمات کو چھوڑ کر صرف متشابہات کے ہی پیچھے پڑے رہتے ہیں تا فتنہ پیدا کریں۔ مگر ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ خدا کا خوف دل میں رکھکر سنت اللہ کے مطابق حضرت مرزا صاحب کی کسی پیشگوئی کو ناپے۔ نتیجہ بفضلہ تعالیٰ یقیناً ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ مگر افسوس اس زمانہ میں خدا کا خوف دنیا سے پرواز کر چکا ہے۔ اور سنت اللہ کا علم مفقود ہے ۞

اور ان کو آگے چلانے کے لئے کسی بڑے ہی کی ضرورت پیش آئیگی۔ کیونکہ اول تو یہ رسالہ نہایت ہی
مختصر ہے۔ دوسرے مجھے اسکے تیار کرنے میں غیر معمولی طور پر جلدی سے کام لینا پڑا ہے۔ خاصکر
آخری حصہ تو کاتب کے بار بار تقاضوں کی وجہ سے قلم برداشتہ ہی لکھنا پڑا ہے۔ اسلئے ممکن ہے
کہ بعض باتیں واضح نہ ہو سکی ہوں یا کوئی بات بیان کرنے سے رہ گئی ہو جسکے لئے میں اپنی فرو گذ
اور ایک حد تک عدیم الفرصتی کا عذر رکھتا ہوا معذرت کا خواہاں ہوں۔ ہاں ناظرین سے
یہ ضرور گذارش کرونگا۔ کہ جس بات کے متعلق وہ زیادہ وضاحت چاہیں یا اگر کوئی نئی بات قا
طلب ہو تو اپنی استعداد کے مطابق خاکسار ہر وقت انشاء اللہ حاضر ہے۔ وہ بلا تکلف
اس خاکسار کو یا جماعت کے کسی فرد کو خط کے ذریعہ مطلع فرمادیں۔ جسکے آنے پر انشاء اللہ جو
ارسال کرنے میں تاخیر نہ کی جائیگی۔ مگر خدارا اس معاملہ میں کوتاہی سے کام نہ لیں۔ د
چند روزہ ہے۔ اور وقت گذرتا جارہا ہے۔ پھر سب نے خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ پ
جہاں انسان دنیا کے کاموں کے لئے اپنا سارا وقت خرچ کرتا ہے۔ وہاں آخرت کا
پیدا کرنے کے لئے کچھ تھوڑا سا وقت نکالنا اسپر بوجھ نہ ہونا چاہیئے۔ میں سچ سچ کہتا
کہ حضرت مرزا صاحب کے معاملہ میں سخت بے انصافی سے کام لیا گیا ہے۔ غور تو کیجئے کہ
اس سے بھی بڑھ کر کوئی ظلم ہو گا کہ قرآن و حدیث حضرت مرزا صاحب کو سچا ثابت کریں
مگر مسلمان کہلانے والے اور قرآن و حدیث پر ایمان کا دعوے رکھنے والے انکار پر مص
رہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب پر مخالفین کا ایک بھی ایسا اعتراض نہیں
جو یا جس کا مثل گذشتہ انبیاء بلکہ خود سرور کائنات علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نہ پڑتا ہو
مگر لوگ ہیں کہ اندھا دھند انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ مگر ہم مایوس نہیں۔ وہ دن آتا
بلکہ سچ پوچھئے۔ تو ہم اس کی پو پھٹتی دیکھ رہے ہیں۔ جب دنیا دیکھے گی کہ جس پتھر کو
معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کا پتھر نکلا۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔ فقط

خاکسار:۔ میرزا بشیر احمد۔

قادیان۔ پنجاب
۲۰ر دسمبر ۱۹۱۶ء